اشاعت نمبر: ۱۵۹

تدریب الافتاء جامعہ جمبوسر، سال دوم، کے طلبہ کا سندی مقالہ

احکام الوقف

مرتب

مفتی فیضان بن سلیم مہوا، متعلّم تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر

حسبِ ایماء وارشاد

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم
بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر

زیرِ نگرانی

مفتی فرید احمد کاوی

ناشر:
جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، ضلع بھروچ، گجرات، الہند

اشاعت نمبر: ۱۵۹

تدریب الافتاء جامعہ جمبوسر، سالِ دوم، کے طلبہ کا سندی مقالہ

احکام الوقف

مرتب

مفتی فیضان بن سلیم مہُوا، متعلّم تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر

حسبِ ایماء وارشاد

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم

بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر

زیرِ نگرانی

مفتی فرید احمد کاوی

ناشر:

جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، ضلع بھروچ، گجرات، الہند

- کتاب کا نام: احکام الوقف
- مرتب: مفتی فیضان بن سلیم مُہُوا
  متعلّم تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر
- حسب ایماء وارشاد: حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم
  (بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)
- زیر نگرانی: مفتی فرید احمد کاوی، مدرس جامعہ علوم القرآن، جمبوسر
- سن اشاعت: رجب ۱۴۴۰ھ مطابق اپریل ۲۰۱۹
- اشاعت نمبر: ۱۵۹
- ناشر: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

JAMIA ULOOMUL QURAN, JAMBUSAR
AT.PO. JAMBUSAR. DIST : BHARUCH.
GUJARAT. INDIA. 392150
TEL : 02644-220786
jamiahjambusar@gmail.com

فہرستِ مضامین

افتتاحیہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

احکامِ شرع میں 'وقف' کا حکم بے نظیر دنیوی و اخروی جامعیت رکھتا ہے، اپنی جائیداد کو اپنے اور اپنی نسلوں کے لیے خصوصاً اور امت کے فقراء و مساکین کے لیے عموماً باقی رکھتے ہوئے مسلسل اخروی ثواب حاصل کرتے رہنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے، اور حدیث شریف میں اس کا ثبوت ہی نہیں، فضیلت بھی مذکور ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله ، إلا من ثلاثة : صدقة جارية ، أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له.

انسان جب مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، البتہ تین اعمال کا ثواب اس کو مسلسل ملتا رہتا ہے، صدقہ جاریہ کا، علم نافع کا، اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ چنانچہ علامہ نووی ؒ نے اس حدیث کی شرح میں وقف کو صدقہ جاریہ کا مصداق قرار دیا ہے۔

مدینہ شریف میں ایک یہودی شخص مخیّریق نام سے تھے، سات باغوں کے مالک تھے، وہ مسلمان ہو گئے، اور غزوہ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ جہاد ہوئے، جہاد میں جانے سے قبل اپنے بیٹوں کو وصیت کر گئے تھے کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو یہ سب مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دینا۔ چنانچہ جب

ان کی شہادت کے بعد یہ باغات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کو وقف کر دیا۔

مؤرخین اور سیرت نگاروں کے بقول یہ اسلام کا پہلا وقف ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں عمل میں آیا۔

چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک مسلمانوں نے اس روایت کو کم و بیش باقی رکھا ہے، اور مسلمانوں کے اجتماعی، فلاحی، رفاہی، معاشرتی، اور دینی و دنیوی امور کی انجام دہی میں اوقاف کا حصہ سب سے بڑھ کر ہے۔

آج جب کہ دنیا کی زیادہ تر مسلمان آبادی غیر اسلامی مما لک میں آباد ہے، ان مسلمانوں کی دینی و دنیوی زندگی سے متعلق اکثر اجتماعی امور وقف ہی کے مرہون ہیں۔ بلکہ اسلامی حکومتیں، باوجود حکومت ہونے کے، کل بھی اور آج بھی، اوقاف سے کبھی مستغنی نہیں رہی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ذخیرہ کتب میں وقف کے مسائل سے متعلقہ کتب بکثرت پائی جاتی ہیں، اس کی افادیت زیادہ ہے، یہ دیرپا چیز ہے، اس کے مستفیدین کی تعداد بے شمار ہیں، تو پھر اس کے مسائل کی کثرت لازمی ہے، اور اس صورتِ حال میں فقہاء امت اپنی ذمہ داری سے کیوں غافل رہتے؟ انہوں نے اس موضوع پر بہت وافی شافی رہ نمائی فراہم کی ہے، فجز اہم اللہ تعالی احسن الجزاء

ہم نے بھی اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے جامعہ کے تدریب الافتاء کے ایک طالب علم عزیزم مولوی مفتی فیضان مُہوا (فاضل جامعۃ العلوم گڑھا، ہمت نگر،

گجرات) کے سندی مقالہ کا عنوان ’احکام الوقف‘ طے کیا، مقصود یہی تھا کہ طالب علم بھی اس موضوع سے جامع واقفیت حاصل کر لے اور علماء کے درمیان اس موضوع پر تحریر و تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رہے۔

اس مقالہ میں خاص طور پر وقف ایکٹ 1995 مع ترامیم 2013 کی دفعات کو شامل کیا گیا ہے، تاکہ ہندوستانی مسلم پرسنل لا کے اس اہم موضوع سے متعلق ملکی قوانین کی دفعات کیا ہیں اس سے بھی واقفیت ہو۔

اور اب یہی مقالہ علمِ فقہ کے خوشہ چینوں اور اربابِ افتاء کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کرتے ہیں کہ اگر اس میں کوئی بات محل نظر ہو تو اصلاح سے متعلق ضرور مطلع فرمائیں گے اور اگر کچھ کام کی بات پہنچانے میں ہم کامیاب ہوئے ہیں تو دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی جامعہ کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی موصوف کی محنت کو اصابت و اجابت سے نوازے اور ان کا علمی مستقبل روشن و تابناک بنائے۔ آمین۔

مفتی احمد دیولوی

بانی و مہتمم جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم !

انسانی فلاح، مصیبت زدگاں کی امداد، سماج سے فقر وافلاس ختم کرنے کی کوشش، بیماروں کی تیمارداری و علاج، بیوگان اور بے سہارا لوگوں کی کفالت، لاوارث اموات کی باعزت تجہیز وتکفین، مساجد و مدارس کے نظام کی استواری، ان کے اخراجات کی وصولیابی اور صحیح نہج اور ڈھنگ سے اس کو خرچ کرنا، شفا خانوں کا قیام، مقروضین کو قرضوں سے نجات دلانا وغیرہ؛ ایسے سیکڑوں کام ہیں جنکو منظّم اور مربوط طریقے پر انجام دینا کسی بھی سماج کی فلاح کیلئے بنیادی ضرورت اور کامیابی کا نصب العین ہے۔ قرآن وسنت کی بے شمار نصوص میں ان امور کی تلقین و ہدایت فرمائی گئی ہے، یہ وہ امور ہیں جن کا تعلق فقہ اسلامی کے 'احکام الوقف' سے ہے۔

وقف کی یہی روح ہے کہ وقف کی املاک و جائداد کسی مصرف خیر کے لیے اس طرح محبوس کردی جائے کہ اصل شئی محفوظ رہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی متعین مصارف میں صرف کی جایے۔

انہیں مقاصد بالا کے پیش نظر پورے عالم اسلامی میں اتنی جائداد اور املاک وقف کی گئی ہیں کہ وقف کا ایک وسیع وعریض نظام وجود میں آگیا ہے، اسی لیے وقف سے متعلق ہر دور میں مختلف قسم کے مسائل وسوالات سامنے آتے رہے ہیں، دور حاضر میں بھی اوقاف سے متعلق اور روز بروز نت نئے سوالات پیدا ہورہے ہیں، ایک طرف ذمہ دارانِ وقف کی غفلت، دوسری طرف وقف کنندگاں یا ان

کے ورثہ کا حرص و ہوس کا شکار ہونا اور ساتھ میں حکومت کے قوانین وضوابط کا ادلتے بدلتے رہنا، ایسے عناصر ہیں جن کی بناء پر احکام وقف میں مشکلات بھی بڑھتی چلی جارہی ہیں اور نیے نیے سوالات بھی بڑھتے چلے جارہے ہیں۔

اس لئے ضرورت تھی موجودہ زمانے میں حکومت ہند کے جاری کردہ قوانین وقف کو مدنظر رکھتے ہوئے متعدد اوراق میں پھیلے پڑے مسائل واحکام وقف کو یکجا جمع کرتے ہوئے اس کی مزید تنقیح کی جائے، نیز نئے مسائل کے جوابات بھی سپرد قرطاس وقلم ہوں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر امسال ۱۴۴۰ھ میں جامعہ علوم القرآن، جمبوسر کے شعبۂ تدریب الافتاء سے فارغ ہونے والے طالب علم عزیزم مولوی مفتی فیضان مہواوی (فاضل: جامعۃ العلوم، گڑھا) سلمہٗ کو ان کے سندی مقالہ کے طور پر احکام الوقف کا موضوع دیا گیا تھا، آں عزیز نے مذکور الصدر موضوع پر ایک تفصیلی مقالہ مرتب فرمایا ہے، جس میں وقف سے متعلق جدید وقدیم مسائل کو عربی، اردو کتب فقہیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے، جمع کرنے کی ایک طالب علمانہ کوشش فرمائی ہے، اور اس سلسلے میں بندے کے خیال میں موصوف بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں۔ هذا ما أحسب و لاأزكی علی اللّٰه أحدًا۔

اللہ تعالیٰ آں عزیز کی محنت کو قبول فرمائے اور ان کے اپنے لئے اور ان کے اساتذہ کے لئے سرخروئی کا باعث بنائے۔ آمین بجاه سيد المرسلين صلى اللّٰه عليه وسلم و الحمد للّٰه اولا و آخرًا۔

کتبہ:

اسجد دیولاوی، ۲۷/رجب، ۱۴۴۰ھ

تمہید

بسم اللہ و الصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

وقف، جامع اسلامی نظامِ حیات کا وہ عنصر ہے کہ جس قدر اسلامی نظامِ حیات میں اس کی اہمیت ہے، اسی قدر اس کی جانب بے اعتنائی برتی جارہی ہے، صاحبِ مال کی ذات، اس کی نسل درنسل، اقرباء، فقراء، مساکین اور مالداروں تک اپنی افادیت کی رسائی رکھنے والا یہ'مادی منفعت اور اخروی ثواب کا چشمہ' مسلمانوں کی غفلت کی سبب خشک پڑا ہے۔آج کل وقف کا مفہوم مسجدوں اور مدرسوں کے نام کچھ زمینیں اور عمارتوں کو وقف کرنے تک محدود ہوکر رہ گیا ہے، اس کوتاہ عملی کا اصل سبب وقف کے اغراض، مقاصد اور اہداف سے مسلمانوں کی ناواقفیت ہے۔جن گوناگوں مصارف کے لیے اوقاف کی گنجائش اسلام میں موجود ہے، اس کو دیکھتے ہوئے دنیا کے کسی مسلمان کو کسی حکومتی امداد کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے تھی، بس وقف کا تسلسل اور اس کے صحیح انتظام کا سلیقہ قوم میں آجائے تو دینی امور کی مادی ضرورتوں کی کفالت اور قومِ مسلم کی معاشی فلاح کی راہ بآسانی ہموار ہوجائے۔

ہندوستان میں صدیوں تک مسلمان سریر آرائے سلطنت رہے، اور اس درمیان انہوں نے قومی و مذہبی جذبے کے تحت مسجدوں کے علاوہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے لیے بھی بڑی جاگیریں وقف کیں، مسلمان وزراء، سپہ سالار، جاگیردار اور عوام وخواص نے بھی اپنی زمینیں وقف کیں، حتی کہ بلادِ حرمین کے لیے

ہندوستان میں عمارات اور زمینیں وقف کی گئیں، مگر آج ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے ان اوقاف کی دیکھ بھال کے لیے مناسب افراد تک میسر نہیں۔

کچھ سال پہلے اخبارات میں یہ خبر پڑھی تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی صورتِ حال پر رپورٹ تیار کرنے کے لیے وزیر اعظم کی جانب سے جسٹس سچر کی نگرانی میں تشکیل کردہ اعلی سطحی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں ایک تجویز یہ بھی پیش کی کہ: مسلم افسروں کی تعداد قلیل ہونے کی وجہ سے وقف بورڈ کے سی. ای. او. عام طور پر غیر تربیت یافتہ، نچلی سطح کے ریٹائرڈ افسران یا کبھی غیر افسر بھی ہوتے ہیں، اس لیے ایک نیا کیڈر (جسے انڈین وقف سروس کہا جاسکے) تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔

گویا ملک بھر میں پھیلا ہوا اوقاف کا جال اس قدر وسیع ہے کہ اس کے لیے سول سروس (IPS, IAS) کے معیار پر وسیع الاختیارات، قابل اور تربیت یافتہ افسران کی ضرورت ہے، اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے اوقاف اور ان کے فوائد اور عوائد کا دائرہ کسی بڑے حکومتی شعبے اور قلمدان سے کمتر ہرگز نہ ہوگا۔

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، جامع قرطبہ، جامع قروین، بلاد قوقاز اور اندلس کے بعض اوقاف کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی یومیہ آمدنی دوسو درہم ہوتی تھی، ہر مسجد میں آمدنی کی حفاظت کے لیے ایک وسیع وعریض کمرہ بنایا جاتا تھا، اور وقف کی آمدنی میں سے شہر اور اہالیان شہر کے مصالح پر بھی بہت کچھ خرچ کیا جاتا تھا، بلکہ ایسا زمانہ بھی آیا کہ ملوک وسلاطین ان اوقاف سے قرض

لیتے تھے۔اور بعض مؤرخین نے تو اس صورتِ حال کو 'خزينة الأوقاف تنافس خزينة الدولة' کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

موجودہ دور میں بہت سی غیر سرکاری این .جی.او.کا سالانہ بجٹ اور تجارتی کمپنیوں کی سالانہ تجارت بعض حکومتوں کے سالانہ بجٹ سے زیادہ ہونا اخبار میں آتا رہتا ہے، اور ہمیں اس پر تعجب بھی ہوتا ہے، لیکن اسلامی اوقاف کی مذکورہ بالا تفصیل اور ہندوستانی اوقاف کی وسعت کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان اوقاف کا صحیح انتظام وانصرام کیا جائے تو ان کا سالانہ میزانیہ کسی بھی سرکاری محکمہ کے بجٹ سے بڑھ کر ہوگا اور اس کے بعد مسلمانوں کے لیے کسی سرکاری امداد کی حاجت باقی نہ رہے گی، ان شاء اللہ۔

ہندوستان میں وقف زمینوں اور اداروں کی بکثرت موجودگی، ان کی حیثیت اور افادیت کی وسعت کے پیش نظر ہی حکومتِ ہند نے دیگر عوامی وقومی مسائل کی طرح اس پر متعدد بار قانون سازی کر کے اس کی تحفظ اور نظم وانصرام کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہے؛ مگر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا قابل افسران میسر نہ ہونے کے سبب اور کرپشن کی وجہ سے ہندوستانی مسلم اوقاف سے مسلمانوں کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے۔ضرورت ہے کہ مسلم قیادت اوقاف کے متعلق سرکاری قوانین کا سہارا لے کر اوقاف کا بہترین انتظام کرے۔خدا کرے ایسا ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کے اکثر اجتماعی مسائل مثلاً معاش، روزگار، اعلیٰ تعلیم، حفظانِ صحت، غربت وافلاس، وغیرہ کا بہترین حل اس میں موجود ہے۔

وقف کی اسی اہمیت کے پیش نظر فقہاء اسلام نے بھی اس موضوع پر خاص توجہ دی ہے اور وقف کی اقسام، اس کے مسائل واحکام بالتفصیل ذکر فرمائے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں یہ وصف عام اور مشترک ہے کہ ہر امر میں آخرت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے، اور دنیاداری کے طویل منصوبوں کو ناپسند کیا گیا ہے، لیکن وقف اور اس کے مسائل واحکام پر نظر کی جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ قومی واجتماعی مفاد کے پیش نظر طویل المیعاد مالی منصوبہ بندی کی بڑی اہمیت ہے؛ چنانچہ علماء اسلام نے اس موضوع کی واقعی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس بارے میں تفصیلی احکام مستنبط فرمائے ہیں اور اس موضوع پر فقہاء کی مستقل تالیفات کے سبب ایک 'کتب خانہ' وجود میں آ گیا ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ رسالہ 'احکام الوقف' بھی اس موضوع پر ایک نئی کاوش ہے، جو جامعہ جمبوسر میں شعبہ تدریب الافتاء کے طالب علم مولوی مفتی محمد فیضان مُہوا (فاضل جامعۃ العلوم، گڑھا) نے سندی مقالہ کے طور پر مرتب فرمایا ہے۔ الحمد للہ موصوف نے سال بھر کی دیگر تعلیمی ذمہ داریوں کی طرح اس ذمہ داری کو بھی بحسن وخوبی ادا کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس موضوع پر بہترین مواد فقہِ حنفی کے بنیادی ومعتبر مآخذ سے جمع فرما دیا ہے۔

اس مقالہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ دستورِ ہند میں تسلیم شدہ 'مسلم پرسنل لا' کے نفاذ کے پیش نظر ہندوستانی پارلیمنٹ نے جو وقف ایکٹ 1995 مع ترامیم 2013ء نافذ کیا ہے، اس کی متعدد دفعات کو بھی متعلقہ عناوین کے تحت ذکر کیا گیا

ہے۔ ہندوستان میں 'مسلم پرسل لا' کی حفاظت مسلم اقلیت کو درپیش سب سے اہم مسئلہ ہے، اور اس کی حفاظت کے لیے ضروری ہے اس ایکٹ میں جو کچھ نافذ کیا گیا ہے وہ ہمارے 'علم' میں ہونے ساتھ ہی ضرورت کے مطابق اربابِ افتاء کے فتاوی کے ذریعہ مسلمانوں کے 'عمل' میں بھی ہو۔

ناظرین کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ ایک طالب علمانہ اور تدریبانہ کاوش ہے، جوانھوں نے اپنے اساتذہ کی نگرانی اور رہ نمائی کے مطابق انجام دی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ موصوف اپنی مساعی میں کامیاب ہوئے ہیں، اور متعلقہ موضوع پر جامع مواد انہوں نے جمع فرمادیا ہے۔ اللہ تعالی اس کوشش کو قبول فرمائے، موصوف کے علمی وعملی مستقبل کو تابناک بنائے، مستقبل میں مزید علمی وعملی خدمات کی توفیق بخشے اور والدین اور مربیوں کی نیک دعاؤں کو ان کے حق میں قبول فرمائے۔ آمین۔

فرید احمد بن رشید کاوی، مدرس جامعہ جمبوسر

۵، اپریل، ۲۰۱۹ء. ۲۸ رجب المرجب، ۱۴۴۰ھ.

کلمات تشکر

تمام تعریفیں اس رب کائنات کی ہیں، جس نے اپنے بندوں کو اس قدر زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے کہ اس کا احصاء بھی ممکن نہیں۔ ارشاد ربانی ہے: وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔(النحل:۱۸)

ادھر انسانی کمزروی کا حال یہ ہے کہ انسانی قوی میں شکر بجالانے کے علاوہ اپنے رب ذوالجلال کی نعمتوں کا مکمل حق ادا کرنے کی استطاعت نہیں، اس لیے شکر علی النعمۃ کا مقصد عبدا شکورا کا مصداق بننا، منعم حقیقی کے انعام کا اعتراف اور نعمت میں زیادتی کا مطالبہ ہے۔

من جملہ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت عظمی جس سے رب کریم نے بندہ کو نوازا ہے، وہ علم کی نعمت ہے، درحقیقت یہ صفتِ الٰہیہ ہے، جس سے اللہ تعالی نے انسان کو بھی اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق سرفراز فرماتے ہیں۔

والدین نے اگر اس ناکارہ کو علم کے حصول کے لئے فارغ کردیا، دل پر پتھر رکھ کر اس جدائی کے زمانہ کو بغیر کسی شکوہ وشکایت کے برداشت کیا اور تن، من دھن کی قربانیاں دیتے رہیں، تو یہ بھی اللہ تعالی کا ہی فضل وکرم ہے۔ اللہ تعالی والدین کو دنیا وآخرت میں ان کی قربانیوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ رب ارحمهما كما ربياني صغيرا۔

بفضل اللہ اس ناکارہ نے جامعۃ العلوم گڑھا سے درس نظامی کی تکمیل فرمائی، اس کے بعد اللہ تعالی نے مزید اس مشغلہ میں مشغول رہنے کا سنہرا موقع

فراہم کیا، ۱۴۳۸ھ میں شروع کیے گئے اس نئے سفر کی منزل جامعہ علوم القرآن، جمبوسر کی عظیم الشان درس گاہ تھی ،جس کے بانی و مہتمم مفتی احمد صاحب دیولوی دامت برکاتہم ومدت فیوضہم کا میں بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے اس عالیشان ادارے میں جگہ دیکر 'فقہ فی الدین' کے حصول کے لئے موقع دیا۔اورآج تعلیم کے آخری مرحلہ میں میرے سندی مقالہ کوبھی قبول فرما کراس کو قابل اشاعت سمجھا، میرے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی ؟ اللہ تعالی ان کے فیض کوعام وتام فرمائے اورسایہ کوتا دیر باقی رکھے۔آمین۔

یہاں کے تعلیمی نصاب کی ایک اہم ذمہ داری تدریب الافتاء کے سال دوم میں ایک فقہی عنوان پرسندی مقالہ کا تیارکرنا بھی ہے۔مجھے بھی اس سے گذرا پڑا، اور مجھ جیسے نا کارہ وکم علم طالبِ علم کے ذمہ 'وقف' کا موضوع دیا گیا۔اس قدر اہم موضوع پر کچھ لکھنے کے لیے میں خودکو بالکل اہل نہ سمجھتا تھا،لیکن اساتذہ کرام کی بےانتہاءتوجہ،مشفقانہ رہ نمائی اور پرخلوص دعاؤں کی بہ طفیل جو کچھ ہوسکا وہ لکھ دیا۔ اوران ہی کے شکر کی ادا یگی کے لیے یہ سطور تحریر کر رہا ہوں۔

اس موقع پر اپنے استاذِ محترم مفتی فرید احمد صاحب کاوی دامت برکاتہ کا خاص شکرگذار ہوں،حقیقت یہ ہے کہ ان ہی کی رہ نمائی اوردست گیری سے یہ علمی مضمون اپنی انتہا کو پہنچا۔

دیکھا نہ کوہ کن کوئی فرہاد کے بغیر		آتا نہیں ہے فن کوئی استاذ کے بغیر

حضرت الاستاذ مولانا مفتی اسجد صاحب دامت برکاتہ (شیخ الحدیث ومفتی

جامعہ جمبوسر) کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ اپنے قیمتی مشوروں سے بندہ کی رہبری فرماتے رہے، اور پورے مقالہ پر نظر ثانی فرما کر اس کی تصویب فرمائی۔

میں عاجز و ناتواں اپنے اساتذہ کا شکر ادا کرنے پر بھی قادر نہیں، دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت اپنی شایانِ شان تمام اساتذہ کو دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔

کمپوزنگ اور ٹائپ کرنے والے جامعہ کے اساتذہ: حضرت مولانا عبد المجید صاحب اور مولانا ضیاء الدین صاحب کا بھی میں تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود خالص اللہ کے لئے اپنا وقت فارغ کر کے اس مسودہ کو قابل اشاعت بنایا۔ فجزاہم اللہ

اخیر میں ربّ ذوالجلال سے دعا گو ہوں کہ اللہ ان تمام حضرات کو اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، اس حقیر و ناتمام کاوش کو قبول فرما کر میرے اور میرے مربیوں کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آئندہ مزید علمی و دینی کاموں کی توفیق سے نوازے اور اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

از: فیضان بن سلیم مہوا
متعلم تدریب الافتاء
جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

الحمد لأهله والصلوة على اهلها ؛ اما بعد !

احکام الوقف

ثبوت وقف

اسلام ایک مکمل دین و مستقل تہذیب ہے، یہ ایک طریقۂ حیات ہے جو اس نوع حیوان یعنی انسان کو دیا گیا ہے جس میں بنیادی طور پر خیر وشر دونوں طرح کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ اسلام کی ان تعلیمات کا فائدہ یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے طبیعتِ سلیمہ خیر و بھلائی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ یہی تکلیف خداوندی اور انسان کی عبدیت کا مقصد ہے۔ من جانب اللہ انسان اسی بات کا مامور ہے کہ وہ صحیح راستہ پر چلے اور شر سے بچے اور دوسروں کو بھی بچائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی نوع انسان ہر دور میں اپنے خاندان اور عام انسانوں کے متعلق بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے اقدامات کرتا ہے۔

من جملہ ان بھلائی کے کاموں میں سے جس کو خدائی رہ نمائی سے انسانی فطرتِ سلیمہ نے ابتداء سے ہی اختیار کیا ہے ایک کام 'وقف' کا ہے، جس کو اجتماعی، معاشرتی، مذہبی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

بنی نوع انسان نے جب سے اس دنیا میں قدم رکھا ہے وقف کا تصور پایا جاتا ہے اگر چہ باقاعدہ وقف کا ثبوت نہیں ملتا مگر اس کا بنیادی تصور اور اس پر عمل در آمد کی امکانی کوششوں کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

قدیم زمانوں میں اور اقوام عالم میں دیگر معابد کے ساتھ خود مسجد کا وقف بھی نظر آتا ہے مثلاً مکہ مکرمہ میں 'بیت اللہ' اور ملک شام میں 'مسجد اقصیٰ' نیز ان سے متعلق اوقاف کے تاریخی ثبوت ہیں، جن کا انکار نا قابل ہے۔

ان مقامات مقدسہ کے منافع اور ان کا حق کسی خاص فرد کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ عامۃ الناس اس میں شریک تھے، لہٰذا یہ کہنا کہ وقف کا تصور اور اس پر خارجی عمل کسی صورت میں اور کسی نہ کسی نام سے موجود رہا ہے نا قابل انکار حقیقت ہے۔

وقف کے موجودہ تصور سے زمانہ جاہلیت والے لوگ نا آشنا تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیت کریمہ 'لن تنالوا البر الخ' سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایسے مصالح کے پیش نظر جو دیگر صدقات میں نہیں پائے جاتے تھے، وقف کو مستنبط کیا۔ کیونکہ کبھی ایک انسان راہِ خدا میں بہت مال خرچ کرتا ہے اور اس کی حیات تک فقراء اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ مرجاتا ہے تو ان غریبوں کی حاجت روائی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور کچھ اور فقراء بھی سامنے آتے ہیں جو بالکل ہی محروم رہتے ہیں۔ پس اس سے بہتر اور مفید کوئی صورت نہیں کہ وہ شخص کوئی جائداد فقراء اور محتاجوں کے لئے روک لے یعنی وقف کردے، جس کی آمدنی ان لوگوں پر خرچ ہوتی رہے، اسی بناء پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دیا کہ اصل زمین روک لو اور اس کا نفع صدقہ کردو۔

وكان أهل الجاهلية لا يعرفونه، فاستنبطه النبى صلى الله عليه وسلم لمصالح لا توجد فى سائر الصدقات فإن الإنسان ربما يصرف فى

سبيل اللّٰه مالا كثيرا، ثم يفنى، فيحتاج أولئك الفقراء تارة أخرى، ويجئ أقوام آخرون من الفقراء فيبقون محرومين، فلا أحسن ولا أنفع للعامة من أن يكون شئ حبسا للفقراء وأبناء السبيل، تصرف عليهم منافعه ويبقى أصله على ملك الواقف، وهو قوله صلى اللّٰه عليه وسلم لعمر رضى اللّٰه عنه 'إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها' فتصدق بها عمر: أنه لا يباع أصلها ولا يوهب ولا يورث وتصدق بها فى الفقراء وفى القربى وفى الرقاب وفى سبيل اللّٰه وابن السبيل والضيف لاجناح على من وليها ان يأكل منها بالمعروف او يطعم غير متمول۔ قال المحشى فى الرقم الثالث: استنبطه النبى صلى اللّٰه عليه وسلم من قوله تعالى 'لن تنالوا البر الخ' ومن: للتبعيض أي بعض ما تحبون، لا جميعه وفى الوقف يبقى أصله ويتصدق بمنافعه فهو مما يصدق عليه الآية۔ (حجة اللّٰه البالغه: ٣٦٤/٢)

انسان پر آخرت کی فکر اور حصول ثواب کی طمع کا تقاضا بھی یہ ہے کہ کوئی عمل ایسا ہو جس کا ثواب اس کو موت کے بعد تا قیامت ملتا رہے، ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا 'اذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلث صدقة جارية، وعلم ينتفع به وولد صالح يدعوله'.

اس حدیث میں صدقہ جاریہ کا ذکر ہے، جس کا تحقق عموماً وقف کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ وقف ایک ایسا عمل ہے جس میں انسان خالص رضاء الٰہی کے

لئے اپنی ملکیت کا حصہ فقراء ومساکین کے لئے خاص کردیتا ہے، اس سے اس کی مراد صرف اور صرف للّٰہیت ہوتی ہے، یہ صدقہ نام ونمود سے بالاتر ہوتا ہے، اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے اس کو باب الوقف میں ذکر فرمایا ہے، عام صدقات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ صدقہ کردیا تو اس کی اصل ختم ہوجاتی ہے، لیکن وقف یعنی صدقہ جاریہ بعد میں بھی مستقل جاری رہتا ہے مثلا ، مسجد بنادی، مسافر خانہ تعمیر کرادیا، مدرسہ بنادیا، یا کنواں وقف کردیا وغیرہ تو یہ سب صدقہ جاریہ میں داخل ہے۔

مسجد کے لئے وقف کا ثبوت:

عن أنس بن مالك قال لما قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم أمر بالمسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی حائطکم فقالوا لا واللّٰہ لانطلب ثمنہ إلا إلی اللّٰہ عزوجل۔ (بخاری: ۳۸۹/۱، کتاب الوصایا)

فقیر، غنی اور مہمانوں کے لئے وقف کا ثبوت:

عن ابن عمر أن عمر وجد مالا بخیر فأتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فأخبرہ فقال إن شئت تصدقت بها فتصدق بها فی الفقراء والمساکین وذی القربی والضیف ۔ (ایضا)

جانور، سامان وغیرہ کے وقف کا ثبوت:

عن ابن عمر أن عمر حمل علی فرس لہ فی سبیل اللّٰہ أعطاها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لیحمل علیها فحمل علیها رجلا

فـأخبر عمر أنه قد وقفها يبيعها فسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبتاعها فقال لا تبتعها ولا ترجعنّ فی صدقتك۔ (ایضا)

وقف کے لغوی اور اصطلاحی معنی

وقف کے لغوی معنی: رکنا، روکنا، ٹھہرانا، قائم کرنے کے ہیں۔

الوقف لغة : المنع، التحبيس، التسبيل

یہ لازم بھی مستعمل ہے اور متعدی بھی۔

جیسے: وَقَفَ، يَقِفُ وَقْفًا ووُقُوفًا سے وقَفَتُ الدابةُ میں لازم ہے۔ اور وَقفتُها أنا وقفا میں متعدی (لسان العرب (و۔ق۔ف) ۳۷۳/۱۵)

در اصل اس کا متعدی والا صیغہ یعنی أوقف، یہ صرف لغۃ تمیمیہ والے استعمال کرتے ہیں اور یہ غیر فصیح ہے۔

ولايقال أوقفه إلا فی لغة تميميه، وهی رديئة، وعليها العامة .

(الفقه الاسلامی و أدلته :۸ / ۱۵۱)

اصطلاحی تعریف:

وقف کے احکام میں فقہاء احناف کے مابین اختلاف ہے، اس لیے ان کی تعریفات میں بھی فرق ہے، بنابریں مناسب ہے کہ دونوں کی الگ الگ تعریف بیان کی جائے تاکہ دونوں کے مابین کے فرق سے بھی آشنائی ہو۔

وقف کی تعریف امام ابو حنیفہ کے نزدیک

صاحب درمختار نے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جو وقف معتبر ہے اس کی

تعریف یوں کی ہے:

ھو حبس العین علی حکم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة.

(درمختار:۶/۵۱۹زکریا)

علامہ شامیؒ اس تعریف میں لفظ 'حکم' کی قید ضروری نہیں سمجھتے اور فرماتے ہیں کہ صاحب در نے شرنبلالیہ کی پیروی میں یہ قید بڑھائی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تعریف اس قید کے بغیر بھی تام ہو جاتی ہے اور اس قید کو بڑھانے کی ضرورت نہیں، بلکہ درج ذیل الفاظ کے ساتھ تعریف کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک واضح ہو جاتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما شرعا: فحبس العین علی ملك الواقف والتصدق بمنفعتها أو صرف منفعتها علی من أحب. (فتح القدیر: ٦ / ١٨٦ زکریا)

صاحب ہدایہ، صاحب ہندیہ، صاحب قدوری وغیرہ نے وقف کی یہی تعریف کی ہے۔

قال المرغینانی: الوقف فی الشرع عند أبی حنیفةؒ حبس العین علی ملك الواقف والتصدق بالمنفعة بمنزلة العاریة. (هدایه: ٢/٦١٥)

صاحب ہندیہ بھی یہی کہتے ہیں:

حبس العین علی ملك الواقف والتصدق بالمنفعة علی الفقراء أو علی وجه من وجوه الخیر بمنزلة العواری. (هندیه:٢/٤١٦)

چوں کہ امام صاحب اور صاحبینؒ کے مابین واقف کی ملکیت باقی رہنے، نہ

رہنے میں اختلاف ہے، جیسا کہ آ رہا ہے، اس لیے امام صاحب کے مذہب کے مطابق وقف کو سمجھاتے ہوئے ہدایہ اور فتاوی ہندیہ میں وقف کے لیے عاریت کی مثال دی ہے، جس میں ملکیت تو مالک ہی کے پاس رہتی ہے البتہ منافع کا مالک دوسرے کو بنا دیا جاتا ہے۔

وقف کی تعریف صاحبینؒ کے نزدیک

دوسری تعریف جو کہ وقف کے بیان میں معتبر ہے اور اسی قول پر فتوی بھی ہے، وہ صاحبین کا قول ہے اور عام ائمہ مذاہب کا رجحان بھی اسی طرف ہے، وہ یہ ہے:

> کسی شیٔ کو اپنی ملک سے نکال کر اللہ تعالی کی ملک میں دے دینا اور اس کی منفعت کو فقر وغنا کا اعتبار کئے بغیر اپنی پسند کے حضرات (موقوف علیہم) کے لیے دائمی طور پر مخصوص کر دینے کا نام ہے۔

وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب ولو غنيا فيلزم، فلا يجوز له إبطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى. (الدر: ٦ / ٥٢١)

مصنف نے ’فیلزم‘ کی قید دراصل اس وجہ سے لگائی کہ صاحبین کے یہاں وقف میں رجوع نہیں، جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجوع درست ہے۔ کیوں کہ صاحبین کے یہاں وقف کرنے سے مالک کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی ملکیت کو اللہ کی طرف پھیر دی جاتی ہے، اور اس کو ہمیشہ کے لیے کار خیر کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے، اس لیے رجوع درست نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

لھما قول النبی ﷺ لعمرؓ حین أراد أن یتصدق بأرض له تدعی ثمغ 'تصدق بأصلها لا یباع ولا یورث ولا یوهب.

(ہدایہ، جلد۲، کتاب الوقف)

امام صاحبؒ کے دلائل

امام ابوحنیفہؒ کی ایک دلیل 'لا حبس عن فرائض الله تعالی' ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فرائض الٰہی یعنی میراث میں سب مال تقسیم کیا جائے گا، کچھ بھی مال روکا نہیں جائے گا۔ پس اگر وقف کی زمین وغیرہ ورثاء میں تقسیم نہ کریں تو یہ حبس عن فرائض اللہ سمجھا جائے گا۔

دوسری دلیل امام شریح کی روایت ہے، فرماتے ہیں جاء محمد علیه السلام یبیع الحبس 'اس روایت کو ابن أبی شیبہ، بیہقی اور طحاوی نے اسناد صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ واقف کو موقوفہ زمین سے انتفاع کا حق ہے، مثلا زمین میں کھیتی کر کے یا گھر میں رہ کر اور دوسرے طریقوں سے انتفاع جائز ہے، جس سے ثابت ہوا کہ وقف کرنے والے کی ملکیت اس میں باقی رہتی ہے، اسی لئے اسے وقف میں تصرف کرنے کا پورا حق ہے اور اس کی آمدنی اور پیداوار کو جہاں صرف کرنا چاہے کرتا ہے، اس وقف کی دیکھ بھال کے لئے قیم اور متولی مقرر کرتا ہے، البتہ اس کی پیداوار اور منافع کو صدقہ کرتا ہے، پس اس اعتبار سے وقف عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ واقف کی ضرورت ہے کہ ہمیشہ اس کی طرف سے غلہ کا تصدق جاری رہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ وہ وقف اسی کی ملکیت میں ہو اور

پانچویں دلیل یہ ہے کہ موقوف سے مالک کی ملکیت ختم ہو جائے اور دوسرا اس کا کوئی مالک نہ رہے، یہ صورت درست نہیں، کیوں کہ شریعت میں ایسی صورت ثابت نہیں ہے۔ جیسے جانور سانڈ وغیرہ کو آزاد چھوڑنا ممنوع ہے۔

لایزول ملك الواقف عن الوقف عند ابی حنيفة إلا أن يحكم به الحاكم أو يعلقه بموته فيقول : إذا مت فقد وقفت داری على كذا ،وقال أبو يوسف يزول الملك بمجرد القول وقال محمد لايزول الملك حتى يجعل للوقف وليا و يسلمه اليه ـ قدوری ٤٢٣ بشری ،الاختيار ٤٦/٣ بيروت

وفى الهداية : ولأبى حنيفة قوله عليه السلام لا حبس عن فرائض الله تعالى و عن شريح جاء محمد عليه السلام يبيع الحبس ولأن الملك باق فيه بدليل أنه يجوز الانتفاع به زراعة وسكنى وغيرذلك والملك فيه للواقف ألا ترى أن له ولاية التصرف يصرف غلاته إلى مصارفها و نصب القوام فيها إلا أنه يتصدق بمنافعه فصار شبيه العارية ولأنه يحتاج إلى التصدق بالغلة دائما ولا تصدق عنه إلا بالبقاء على ملكه ولأنه لا ممكن أن يزال ملكه لا إلى مالك لأنه غير مشروع مع بقائه كالسائبة بحذف الإعتاق لأنه إتلاف وبخلاف

المسجد لأنه جعل خالصا لله تعالى ولهذا لايجوز الانتفاع به وههنا لم ينقطع حق العبد عنه فلم يصرخالصا لله تعالى . (هدايه: ۲/ ٦١٦)

قول النبى ﷺ لا حبس عن فرائض الله تعالى، هذا الحديث أخرجه الدار قطنى فى سننه فى الفرائض عن عبد الله بن لهيعة عن أخيه عيسى ابن لهيعة عن عكرمة عن ابن عباس رض قال قال رسول الله ﷺ ' لاحبس عن فرائض الله تعالى ' وعبد الله بن لهيعة وأخوه عيسى ضعيفان، ورواه ابن أبى شيبه فى ' مصنفه" موقوفا على على رض فقال حدثنا هشام عن اسماعيل بن أبى خالد عن الشعبى قال : قال على لا حبس عن فرائض الله تعالى إلا ما كان من سلاح أو كراع ، وعن شريح أنه قال :' جاء محمد ﷺ يبيع الحبس ' هذا رواه ابن أبى شيبه فى ' مصنفه فى البيوع' حدثنا وكيع وابن أبى زائده عن مسعر عن ابن أبى عون عن شريح قال ' جاء محمد يبيع الحبس' و أخرجه البيهقى۔ (البنايه : ٧ /٤٢٦)

امام ابو حنفیہ رح کے مستدل کا جواب

(۱)' لا حبس عن فرائض الله تعالى 'یعنی مالک کےفوت ہونے کے بعد پورا مال میراث میں تقسیم کیا جائے گا ذرہ برابر مال بھی غیر منقسم نہیں چھوڑا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ ہاں! یہ درست ہے کہ مرحوم کی تمام جائداد مالہ وما علیہ کے

ساتھ تقسیم کر دی جائے گی ،لیکن جس مال کے متعلق کوئی شرعی وجہ پائی جاوے تو اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔صاحب بنایہ کہتے ہیں کہ یہاں ’لاحبس‘ نکرہ موضع نفی میں واقع ہے جو عمومیت کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا یہ تمام جائداد کو شامل ہوگی جس میں بھی حبس پایا جاوے، الا یہ کہ جہاں دلیل ہو یعنی شرع نے روک لگا دی ہو تو یہ نفی اس کو شامل نہیں ہوگی۔جیسا کہ دین۔(بنایہ، کتاب الوقف)

(۲) شیخ الاسلامؒ نے مبسوط کی شرح میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی نقلی دلیل میں کوئی حجت نہیں ہے کیوں کہ جب واقف نے وقف کر دیا تو فرائض الٰہی یعنی میراث کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا اس لئے فرائض الٰہی سے کوئی حبس نہیں ہوا، جیسے مال منقولہ و وصیت و ہبہ و صدقہ میں کوئی حبس نہیں ہوتا ہے۔

وفی مبسوط شیخ الاسلامؒ الاستدلال بهذا الحديث غير مستقيم لأنه إنما يستقيم هذا إذا تعلق به حق الوارث فأما إذا كان الوقف قبل التعلق فليس حبس عن فرائض الله كالتصدق بالمنقولات. (البنايه : ۷/ ۴۲۸)

(۳) قیاس بھی یہ تقاضہ کرتا ہے کہ ضرورت ہے اس بات کی کہ وقف لازم ہو، تا کہ واقف کو ہمیشہ تا قیامت اس وقف کا ثواب ملتا رہے۔شریعت مطہرہ نے بھی انسان کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے چند اعمال ایسے بتائے جس سے قیامت تک انسان کو فائدہ حاصل ہوتا رہے، جیسا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان جس کو امام ترمذیؒ نے حضرت ابوھریرۃؓ سے نقل فرمایا ہے:

’ إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث، صدقة جارية وعلم ينتفع

به وولد صالح يدعوله" (الحديث) (فتح القدير : ٦/ ١٩١)

(۴) امام ابوحنیفہؒ کی ایک دلیل یہ ہے کہ واقف کو تصرف کا حق حاصل ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقف کی ملک باقی ہے، اس کے متعلق صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ شیٔ موقوف سے بندوں کا حق منقطع نہیں ہوتا، لہٰذا کھیتی یا سکونت اختیار کر کے اس سے انتفاع کی گنجائش ہے، اسی اعتبار سے واقف کا حقِ تصرف بھی ہے، پس وہ ملکیت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

إن حقوق العباد لم تنقطع عنه حتى جاز الانتفاع به زراعة وسكنى لغير الواقف أو له. (فتح القدير: ١٩٢/٦)

(۵) حدیثِ شریح (یبیع الحبس) کے معنی یہ ہے کہ کفار اپنے زمانہ میں کچھ جانور بتوں کے نام کر دیتے تھے اسے رسول اللہ ﷺ نے منسوخ کر دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ 'ما جعل الله من بحيرة و لا سائبة ولا وصيلة ولا حام'۔

(٦) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وقف کرنے سے واقف کی ملکیت ختم نہ ہونے پر امام صاحب نے جو دلیل دی ہے، اس میں تفصیل ہے، مرنے کے بعد میراث میں تقسیم کرنے سے متعلق کہا گیا ہے کہ لا حبس عن فرائض الله، اس میں مورث کی مملوکہ جایداد کا حکم مذکور ہے، اور حکم مورث کی موت کے بعد کا ہے۔ پس آدمی کے مرنے کے بعد فرائض اللہ یعنی میراث کے حصص متحقق ہو چکے، اب اس کو اس کے مقابلہ میں حبس درست نہیں۔

مگر موت سے قبل تو فرائض اللہ آدمی کے مال بشمول اس زمین سے متعلق

نہیں، اوراس حیات ہی میں اس زمین کوواقف کی ملکیت سے خارج کردیا جائے تو یہ 'حبس عن فرائض اللہ' کے دائرے میں نہیں آتا۔ ورنہ تو لازم آئے گا کہ حیات میں آدمی کو ہبہ اور وصیت کی اجازت نہ ہو، کیوں کہ ہبہ اور وصیت کے نفاذ میں بھی فرائض اللہ کے مقابلہ میں حبس لازم آتا ہے۔

الفرق فی حد الوقف بین الامام وصاحبیه

الوقف عند الامام

(۱) امام صاحب کے نزدیک وقف جائز ہے، مگر لازم نہیں ہوتا؛ لہٰذا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واقف شیئ موقوف کو وقف کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو اس سے رجوع کرسکتا ہے، جیسا کہ عاریت میں ہوتا ہے۔

(۲) واقف کو شیئ موقوف میں مالکانہ تصرف کرنے کا حق حاصل رہتا ہے، وہ اسے کسی کو ہبہ کرسکتا ہے، اور رہن وغیرہ کے طور پر بھی دے سکتا ہے۔

(۳) اگر واقف کی موت ہوجائے تو شیئ موقوف واقف کی ملکیت میں باقی ہونے کی وجہ سے دوسرے اموال کی طرح اس کو بھی تقسیم کیا جائے گا، یعنی اس میں بھی وراثت جاری ہوگی۔

(۴) امام صاحب نے وقف کو 'کالعاریه' کہا ہے، مکمل عاریت کا درجہ نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عاریت میں شیئ مستعار سے قابض یعنی مستعیر خود فائدہ اٹھاتا ہے، اور وقف میں قابض یعنی متولی وقف سے خود فائدہ نہیں اٹھاتا، بلکہ موقوف علیہم افراد دوسرے ہوتے ہیں جن کے لئے وقف ہوتا ہے، اور وہ فائدہ

اٹھاتے ہیں، اس لئے امام صاحب نے وقف کو کالعاریہ کہا۔

الوقف عند الصاحبين

(۱) صاحبین کے نزدیک وقف جائز ہے اور لازم بھی ہوجاتا ہے۔ لہٰذا صاحبین کے نزدیک واقف کے لئے رجوع صحیح نہیں۔

(۲) نہ ہی واقف کو شیئ موقوف میں وقف کرنے کے بعد مالکانہ تصرف کرنے کا حق باقی رہتا ہے۔ جیسے: بیع، ہبہ، رہن وغیرہ۔

(۳) اور جب واقف مرجائے تو ورثاء کا اس شیئ موقوف میں حق وابستہ نہیں رہتا۔

دراصل واقف وقف کرکے اپنی ملکیت سے اس شیئ کو نکال چکا ہے، اور اللہ کی ملکیت میں دے چکا ہے، لہٰذا اب اس کو ترکہ میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

حكم الوقف عند أبى حنيفةؒ :أنه جائز غير لازم بمنزلة العارية ، فيجوز للواقف أن يرجع عنه ، ويتصرف فى الموقوف بالبيع والهبة والرهن وغير ذلك من التصرفات التى للمالك فى ملكه وإذا مات يورث عنه كما يجوز للمعير أن يرجع فى عاريته ، ويتصرف فيما أعاره تصرف المالك فى أملاكهم وإذا مات قبل استرداد عاريته قسمت بين ورثته وذلك لأنه إذا كانت العين الموقوفة عنده باقية على ملك الواقف ولم تخرج عن ملكه بالوقف كان له حق التصرف فيها بالبيع ونحوه، وإذا لم يتصرف فيها حتى مات كان لورثته قسمتها بينهم بالميراث الشرعى كسائر أملاك المورث وهذا المعنى

لعدم لزوم الوقف عنده.

وإنما جعل الإمام الوقف بمنزلة العارية ولم يجعله عارية حقيقة لأن الواقف قد يبقى الوقف فى يده وإذا سلمه إلى قيم فقد يكون هذا القيم غير منتفع بالوقف والعارية لاتكون إلا فى يد المستعير المنتفع.

وحكم الوقف عند الصاحبين : أنه يلزم بمجرد تمامه، فلا يصح للواقف أن يرجع عنه ولا يجوز له أن يتصرف فى الموقوف بالبيع و نحوه وإذا مات لا يورث عنه لأنه بالوقف أخرج الموقوف عن ملكه ولم يدخل فى ملك الموقوف عليه ولا أحد غيره من العباد وصار فى حكم الله سبحانه و تعالى وإذا كان الأمر كذلك فليس له أن يتصرف فى الموقوف أيّ تصرف من التصرفات التى تعتمد الملك وإذا مات لايورث عنه، لأنه أخرج من ملكه بالوقف فلا يُعتبر من ملكه (كتاب الوقف للشيخ عبد الجليل عبد الرحمن عشوب : ٢٩)

وقف ایکٹ ، ہندوستان کے مطابق وقف کا مطلب :

ہندوستانی پارلیمنٹ میں منظور شدہ وقف ایکٹ، 1995 مع ترمیمات 2013 میں وقف کی تعریف اور اس کے مشمولات کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

> وقف کسی شخص کے ذریعہ مسلم قانون کی رو سے تسلیم شدہ مقدس مذہبی یا خیراتی غرض کے لئے کسی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کا مستقل طور پر نذر کر دینا مراد ہے، اس میں شامل ہے :

[۱] استعمال کے باعث وقف، لیکن ایسا وقف صرف اس وجہ سے ختم نہیں سمجھا جائے گا کہ اب اس کا استعمال بند ہو گیا، خواہ اس کا استعمال کسی بھی مدت سے نہ ہو رہا ہو۔

[۲] کوئی شاملات پٹی، شاملات دیہہ، جملہ مالکان؛ یا مال گذاری ریکارڈ میں جس نام سے بھی درج ہو،

[۳] مسلم قانون کے ذریعہ مقدس مذہبی یا خیراتی طور پر تسلیم شدہ کسی غرض کے لیے بشمول مشروط الخدمت 'منظوریاں' اور..

[۴] اس حد تک وقف علی الاولاد، جہاں تک مسلم قانون کے ذریعہ تسلیم شدہ مقدس مذہبی یا خیراتی کسی غرض کے لیے جائیداد نذر کی گئی ہو، لیکن اگر سلسلہ وراثت ختم ہو جاتا ہے تو وقف کی آمدنی تعلیم، ترقی، فلاح و بہبود اور ایسے دیگر اغراض کے لیے خرچ کی جائے گی، جنہیں مسلم قانون تسلیم کرتا ہو۔

وقف قوانین، مرتبہ خواجہ عبدالمنتقم ص: ۱۹۲ پر سنی وقف سے متعلق ہندوستانی عدلیہ کا فیصلہ کا ذکر درج ذیل لفظوں میں مذکور ہے:

سنی وقف:

Mariam bai V. Mohammed Jaffar Abdul Rahiman Sait A.I.R. 1973 Mad. 191

مریم بائی بنام محمد جعفر عبدالرحیمن سیت

حنفی مکتب فکر کے مطابق وقف کی قانونی تعریف یہ ہے کہ کسی بھی

چیز کو وقف کرتے ہی اس میں واقف کی ملکیت کم ہو جاتی ہے اور شئی اللہ تعالی ملکیت ہو جاتی ہے، اور اس سے حاصل ہونے والی منفعت کو انسانوں کے فائدے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

نوٹ :

امام صاحب اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف اس بات میں ہے کہ وقف کے بعد واقف کی ملکیت موقوف میں باقی رہتی یا نہیں؟ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ واقف کی ملکیت موقوف پر باقی رہے گی، تا آں کہ حکمِ حاکم ہو یا تعلیق علی الموت ہو۔ جب کہ صاحبینؒ کا مذہب ہے کہ واقف کی ملکیت موقوف پر سے ختم ہو جائے گی۔

البتہ پھر صاحبینؒ کے درمیان ایک اختلاف اور ہے، اور وہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ کے بقول وقف محض 'قول' سے متحقق ہو جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، اس مسئلہ کی تفصیل آگے آئے گی، ان شاء اللہ۔

الفاظ وقف

وقف کے باب میں الفاظِ وقف کی بحث کو بڑی اہمیت حاصل ہے، فقہاء عظام نے اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ کن الفاظ سے وقفِ شرعی متحقق ہوگا اور کن الفاظ سے شرعی وقف کا تحقق نہیں ہوتا، اور الفاظ کے بدلنے سے وقف کے معانی ومصارف میں کیا فرق پڑے گا۔

اجمالا یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ واقف کا ایسے الفاظ کا ذکر کرنا جو فی الفور

وقف ہونے پر دلالت کرے اور جس میں دوام وتابید کا معنیٰ ہو؛ وقف کے صحیح ہونے کے ضروری ہے، لہٰذا اگر ایسے الفاظ ذکر نہ کیے جس میں فی الفور وقف ہونے کا معانی نہیں ہے تو ان الفاظ سے وقف صحیح نہیں ہوگا۔

ومنها أن يكون منجزا غير معلق، فلو قال إن قدم ولدى فدارى صدقة موقوفة على المساكين فجاء ولده لا تصير وقفاً كذا فى فتح القدير. (هنديه:۲/۴۱۹)

ومنها التأبيد وهو شرط على قول الكل، لو قال أرضى هذه صدقة موقوفة شهرا فإذا مضى شهر فالوقف باطل، كان الوقف باطلا فى الحال فى قول هلال، لأن الوقف لايجوز إلا مؤبدا، فإذا كان التأبيد شرطا لا يجوز مؤقتا كذا فى فتاوى قاضى خان۔ (هنديه: ۲/۴۲۰)

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اپنی کتاب 'البحر الرائق' میں چھبیس (۲۶) کلماتِ وقف بالتفصیل ذکر فرمائیں ہیں؛ جن میں سے بعض کلمات میں وقف کی صراحت ہے، بعض میں وقف کی صراحت تو نہیں البتہ ان الفاظ میں معنی وقف کے پائے جانے کی وجہ سے ان الفاظ سے وقف کرنا درست ہے، اور بعض کلمات ایسے بھی ہیں جن سے وقف صحیح نہیں ہوتا۔ بعض کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے جس کو صاحب بحر نے واضح فرمایا ہے اور بعض ایسے ہیں جو وقف کی تمامیت پر دلالت نہیں کرتے، بلکہ بولنے والے کی نیت کی وضاحت پر موقوف ہیں۔

ذیل میں ان چھبیس الفاظ کو البحر الرائق کی ترتیب کے مطابق بالتفصیل ذکر

کیا جاتا ہے:

(١) أرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين.

واقف یوں کہے کہ: میری یہ زمین فقراء ومساکین پر ہمیشہ کے لئے صدقۂ موقوفہ ہے۔

صاحب بحر فرماتے ہیں کہ واقف نے جب ان الفاظ سے وقف کیا ہو تو اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ وقف کے صریح الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ میں تمام شرائط پائے جاتے ہیں، جیسے معلق نہیں رکھا گیا، منجز ہے، نیز تابید ودوام کی بھی صراحت ہے۔ قال صاحب البحر: لا خلاف فيه

(٢) أرضي هذه صدقة موقوفة.

میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ واقف کے وقف کرنے میں علامہ ہلال، امام ابو یوسف اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء کرام صحت وقف کے قائل ہیں۔ دراصل جب واقف نے لفظ صدقہ کا استعمال اپنی تعبیر میں کیا اور صدقہ کے مصرف معروف ہے اور 'موقوفۃ' کے الفاظ سے نذر کی بھی نفی ہوگئی، تو ان الفاظ سے بھی وقف تام ہوگا اور موقوف علیہم فقراء ہوں گے۔

فهلال وأبو يوسفؒ وغيرهما على صحة لأنه لما ذكر صدقة عرف مصرفه وانتفى بقوله'موقوفة' احتمال كونه نذرا.

(٣) حبس صدقة (٤) صدقة محرمة.

ان دونوں کا حکم نمبر دو (٢) میں ذکر کی گئی تفصیل جیسا ہی ہے۔ وهما كالثاني.

ولو قال حبس صدقة قال الفقيه أبو جعفر هذا ينبغی أن يكون بمنزلة قوله صدقة موقوفة كذا فی فتاوی قاضی خان. (هنديه: ۴۲۲/۲)

(۵) الخامس 'موقوفة' فقط لايصح الا عند ابی يوسفؒ.

واقف اپنی تعبیر میں صرف وقف کے الفاظ سے ہی وقف کرے یعنی بغیر صدقہ کا لفظ استعمال کئے اور بغیر موقوف علیہم کی تعین کے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس طرح وقف کرنا بھی درست ہے اور یہ بھی وقف ہی مانا جائیگا۔

قوله: الخامس 'موقوفة' فقط أي بدون ذكر صدقة و كذا بدون تعيين الموقف عليه. (منحة الخالق على البحر: ۳۱۷/۵)

صاحب ہندیہ فرماتے ہیں کہ واقف نے بغیر صدقہ کے الفاظ استعمال کئے وقف کیا ہو تو یہ درست ہے، مشائخ بلخ اسی پر فتوی دیتے تھے اور ہم بھی عرف کی بناپر ان الفاظ سے وقف کے تام ہونے پر فتوی دیتے ہیں۔

ولم يذكر الصدقة لكن ذكر الوقف وقال: أرضی هذه وقف أو جعلت هذه وقفا و موقوفة فإنه يكون وقفا على الفقراء و نحن نفتی بقوله أيضاً لمكان العرف هذا إذا لم يذكر الفقراء. (هنديه: ۴۲۱/۲)

صاحب بحر فرماتے ہیں کہ:

واقف نے جب ان الفاظ کے ساتھ وقف کیا تو ان الفاظ سے وقف فقراء پر ہی ہوگا، اس لئے کہ وقف میں تأبید ضروری ہے اور تأبید کا معنی فقراء والے مصرف کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا، لہٰذا یہ فقراء پر ہی وقف ہوگا۔ صدرالشہید

فرماتے ہیں کہ: مشائخِ بلخ امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیتے تھے اور ہم بھی عرف کی بنا پر اسی پر فتوی دیتے ہیں۔ اوراس سے علامہ ہلالؒ کا امام ابو یوسفؒ کے قول کی تردید کرنا بھی بے معنی ہوگیا۔ علامہ ہلال فرماتے ہیں کہ وقف غنی اور فقیر دونوں پر ہوتا ہے، اور یہاں کوئی تعیین نہیں، اوراس عدم تعیین کے سبب وقف باطل ہوگا، لیکن صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ عرفاً ایسے وقف کے مصارف فقراء ہوتے ہیں، اس اعتبار سے کہا جائے گا کہ تعیین ہوگئی۔

فإنـه يـجـعـلها بمجرد هذا اللفظ موقوفة على الفقراء و إذا كان مـفيـد الخصوص المصرف أعـنـى الـفقراء لزم كونه مؤبدا لأن جهة الـفـقـراء لا تـنـقطع، قال صدر الشهيد: ومشائخ بلخ يفتون بقول أبى يـوسفؒ ونحن نفتى بقوله أيضا لمكان العرف وبهذا يند فع رد هلال قول أبى يوسفؒ بأن الوقف يكون على الغنى والفقير ولم يبين فيبطل، لأن الـعـرف إذا كـان يـصـرفـه إلـى الفقراء كان كالتنصيص عليهم. (البحر: ۵/۳۱۷، ۳۱۸)

(٦) السـادس مـوقـوفة عـلـى الـفـقـراء صـح عـند هلال أيضا لزوال الاحتمال بالتنصيص على الفقراء.

جب واقف نے یوں کہا کہ میری زمین فقراء پر وقف ہے تو ان الفاظ سے وقف کرنا تمام حضرات کے نزدیک درست ہے۔ اور جہتِ وقف متعین کر دینے کی وجہ سے علامہ ہلال کے نزدیک بھی ان الفاظ سے وقف تام ہوگا۔

(٧) السابع: محبوسة (٨) الثامن: حبس.

واقف 'محبوسۃ' یا 'حبس' کا استعمال اپنی تعبیر میں کرتا ہے تو اس سے وقف نہیں سمجھا جائے گا اور نہ ہی ان الفاظ سے وقف تام ہوگا، علامہ بحر فرماتے ہیں کہ اگر حبس کا معنی عرف میں سابق کی طرح وقف کا سمجھا جاتا ہو تو یہ بھی 'موقوفۃ' کی طرح ہوگا۔

وھما باطلان ولو کان فی حبس مثل ھذا العرف یجب أن یکون کقوله موقوفة.

(۹) التاسع: لو قال: ھی لسبیل.

واقف کا قول یہ زمین یا مکان مسافرین کے لیے ہے۔اس میں قدرے تفصیل ہے، اگر ان الفاظ سے وقفِ مؤبد کا مراد لیا جانا عرف میں رائج ہو تو ان الفاظ سے وقف ہی سمجھا جائے گا، لیکن اس کا عرف نہیں تو سائل سے اس کی مراد پوچھی جائے گی۔

پس اگر اس کی مراد وقف ہو تو وقف اور اگر صدقہ مراد ہو تو نذر مانی جائے گی اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو یہ اسی کی ملکیت میں علی حالہ باقی رہے گی، لہٰذا اس میں میراث بھی جاری ہوگی۔

إن تعارفوه وقفاً مؤبدا للفقراء کان کذلك وإلا سُئِل، فإن قال أردت الوقف صار وقفا لأنه محتمل لفظ أو قال أردت معنی صدقة فھو نذر فیتصدق بھا أو بثمنھا وإن لم ینو کانت میراث.

(۱۰) العاشر جعلتھا للفقراء:

ان الفاظ سے وقف کرنے میں بھی وہی تفصیل ہے جو ما قبل میں مذکور ہوئی،

البتہ دونوں میں قدرے فرق ہے۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھا جائے گا کہ واقف کے مکان وزمان میں ان الفاظ سے وقف کرنے کا عرف رائج ہے یانہیں؟ اگر عرف ہوتو یہ وقف ہوگا۔ اور اگر عرف نہیں تو واقف کی نیت سے وضاحت طلب کی جائے گی۔ اگر وقف کی نیت کی ہوتو وقف ہوگا اور اگر صدقہ کی نیت ہوتو نذر شمار ہوگی۔ لیکن اگر کوئی نیت ہی نہ کی ہوتو اس صورت میں بھی صدقۂ منذورہ ہی شمار ہوگی، البتہ اس سے ماقبل والے الفاظ میں بلاکسی نیت کے وہ زمین اس کی ملکیت میں باقی رہتی ہے۔ فافہم وتدبر۔

لو قال جعلتها (الأرض) للفقراء إن كان ذلك وقفا فی تعارف تلك البلدة كانت وقفا وإن لم يكن يرجع إليه بالبيان فإن نوى وقفا كانت وقفا وإن نوى صدقة أولم ينو شيئا تكون نذرا بالتصدق كذا فی محيط السرخسی. (هنديه: ٤٢٢/٢)

علامہ بحر فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس حال میں مرگیا کہ نہ ہی وہ زمین صدقہ کی ہے اور نہ ہی قیمت کا تصدق کیا تو مابعد الموت اس میں میراث جاری ہوگی۔ فان مات ولم يتصدق به ولا بقمية يكون ميراثا.

(١١)الحادی عشر: محرمة (١٢) الثانی عشر: وقف وهو صحيح وهی معروفة عند أهل الحجاز.

لف ونشر وغیر مرتب پر دونوں لفظوں کا حکم صاحب بحر نے بیان فرمایا ہے: ان دونوں لفظوں کے حکم بیان کرنے میں علامہ بحر نے تنازع فعلان میں راجح مذہب کو بھی بیان کردیا کہ بصرین کا مذہب پختہ ہے۔ قرب کا اعتبار کرتے ہوئے

لفظِ وقف کا معنی پہلے بیان کیا ہے کہ وقف کے لفظ سے واقف کا وقف کرنا تمام حضرات کے نزدیک درست ہے اور یہ صریح الفاظ میں سے بھی ہے۔

اور محرمة سے وقف کرنا بھی درست ہے، چوں کہ اہل حجاز میں اس کا تعارف ہے، لہٰذا عرف کی بناء پر یہ بھی صریح میں داخل ہے۔

(۱۳) الثالث عشر: حبس موقوفة وهو كالاقتصار على موقوفة.

اس کا حکم وہی ہے جو موقوفة کا ہے، ایسا ہی سمجھا جائے گا کہ لفظ موقوفة پر واقف نے اکتفاء کیا ہو۔

(١٤) الرابع عشر: جعلت نزل كرمي وقفا صار وقفا فيه ثمرة أولا.

کسی شخص کا یہ کہنا کہ میرے کھیت کے انگور کی فصل وقف ہے، تو یہ وقف ہوجائے گا، چاہے اس پر پھل ہوں یا نہ ہوں، بہرحال وقف تام ہوجائے گا۔ اب اسے (مالک) مالکانہ تصرف کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

وفي النوازل: جعلتُ نزل كرمي وقفا وكان فيه ثمر أولا يصير الكرم وقفا. كذا في محيط السرخسي. (هنديه: ٤٢٢/٢)

(١٥ / ١) الخامس عشر: جعلت غلته وقفا، كذلك.

اس کا حکم بھی ماقبل کی طرح ہی ہے۔

(٢/١٥) موقوفة لله. یہ بمنزلہ صدقۃ موقوفۃ کے ہے۔

الخامس عشر موقوفة لله بمنزلة صدقة موقوفة. والكل في فتح القدير وجزم في البزازية بصحة الوقف بقوله وقف أوموقوفة.

(١٦) السادس عشر: صدقة فقط، فإن لم يتصدق حتى كانت ميراثا.

ان الفاظ سے وقف نہیں ہوگا بلکہ صدقہ ہوگا، اگر مرنے تک صدقہ نہیں کیا تو اس میں بھی میراث جاری ہوگی۔ ملکیت کے باقی ہونے کی وجہ سے۔ ہندیہ میں بھی ہے کہ:

وفی الفتاوی: رجل قال: أرضی هذه صدقة کان نذرا بالتصدق حتی لو تصدق بعینها أو بقیمتها علی الفقراء جاز۔ کذا فی الخلاصة۔ (هندیه: ۴۲۳/۲)

(۱۷)السابع عشر: هذه موقوفة علی وجه الخیر او علی وجه البر۔ تکون وقفا علی الفقراء.

واقف نے یوں کہا کہ یہ میری زمین کار خیر میں وقف ہے، تو یہ فقراء پر وقف ہوگی۔ اور اس میں چوں کہ جہت وقف کی تعین نہیں لہٰذا ایسے موقوف علیہم کا مراد لینا ضروری ہوگا جس میں تأبید کا معنی پایا جاتا ہو، اور یہ وصف فقراء میں ہے پس وہی متعین ہوں گے، اور یہ وقف درست ہوجائے گا۔ ہندیہ میں اس کو صدقہ موقوفہ کی طرح مانا ہے۔

لو قال أرضی موقوفة علی وجه الخیر و البر جاز کأنه قال صدقة موقوفة. (الهندیه:۴۲۲/۲)

(۱۸)الثامن عشر: موقوفة فی الحج عنی و العمرة عنی یصح الوقف ولو لم یقل عنی لایصح الوقف.

میری جانب سے حج یا عمرہ میں یہ زمین وقف ہے، علامہ بحر فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے وقف کرنے میں صحت کا مدار 'عنی' پر ہے اگر واقف نے 'عنی' کے بغیر

موقوفۃ فی الحج والعمرۃ کہا تو وقف صحیح نہیں ہوگا، باطل ہوگا۔

(۱۹) التاسع عشر: صدقة لاتباع:

میری زمین صدقہ ہے اس کو بیچا نہ جائے گا۔ واقف نے صدقۃ لاتباع پر اختصار کیا تو ان الفاظ سے وقف نہیں ہوگا بلکہ صدقہ ہوگا لیکن اگر لاتوھب ولاتورث کا اضافہ کردیا تو مساکین پر مثلاً زمین وقف سمجھی جائے گی۔

صدقة لاتباع تكون نذرا بالصدقة لاوقفا، ولوزاد لاتوهب و لاتورث صارت وقفا على المساكين۔

(۲۰)العشرون اشتروا من غلة داری هذه كل شهر بعشرة دراهم خبزا وفرقوه على المساكين صارت الدار وقفا.

کوئی شخص یوں کہے کہ میرے اس گھر کے غلاجات سے ہر مہینہ دس درہم کی روٹیاں خریدی جائے اور اس کو مسکینوں میں تقسیم کی جائے۔ صاحب بحر فرماتے ہیں کہ اس صورت میں گھر وقف ہو جائے گا۔

صاحب منحۃ الخالق کہتے ہیں کہ: صاحب فتح القدیر نے ایک جزئیہ نقل فرمایا ہے کہ بعض مرتبہ وقف ضرورۃً ثابت ہوتا ہے، اس کی صورت یوں ہے کہ: کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے اس گھر کے غلاجات ہمیشہ کے لئے فقیر و مسکین کے لئے ہے، تو اس صورت میں گھر بھی ضرورۃً وقف ہوگا۔ اس لئے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ یوں کہتا کہ جب میں مرجاؤں تو یہ میرا گھر فلاں پر وقف ہے۔

قوله: العشرون اشتروا الخ قال فى الفتح فرع: يثبت الوقف بالضرورة وصورته أن يوصى بغلة هذه الدار للمساكين أبدا أو لفلان

و بعده للمساكين أبدا فإن هذه الدار تصير وقفا بالضرورة والوجه أنها كقوله إذا متُّ وقفت داري على كذا۔ اه۔ (المنحة الخالق على البحر: ۳۱۹/۵)

(۲۱) الحادي والعشرون: هذه بعد وفاتي صدقة يتصدق بعينها أو تباع ويتصدق بثمنها.

کسی شخص نے یوں کہا کہ میری یہ زمین میری وفات کے بعد صدقہ ہے،تو ان الفاظ سے وقف کا تحقق نہیں ہوگا، بلکہ صدقہ ہوگا ،لہٰذا بعینہ اسی کا صدقہ کیا جائے گا یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے گا۔

(۲۲) الثاني والعشرون: أوصى أن يوقف ثلث ماله.

کسی نے وصیت کی کہ میرے ثلث مال کو وقف کر دیا جائے۔

ان الفاظ سے وقف کرنے میں ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف درست ہوگا اور موقوف علیہم فقراء ہوں گے، لیکن طرفین کے یہاں جب تک لفظ تأبید کا ذکر نہ ہو وقف درست نہ ہوگا۔

جاز عند أبي يوسفؒ ويكون للفقراء وعند هما لايجوز إلا أن يقول لله أبدا.

(۲۳) الثالث والعشرون: هذا الدكان موقوفة بعد موتي ومسبل ولم يعين مصرفا لا يصح.

میری یہ دکان میرے مرنے کے بعد وقف ہے۔اس صورت میں چوں کہ واقف نے معلق رکھا ہے اور مصرف کی تعین نہیں کی تو ان الفاظ سے وقف کرنا

درست نہ ہوگا۔

(٢٤) الرابع والعشرون: داری هذه مسبلة إلى المسجد بعد موتی.

میرا یہ گھر میری موت کے بعد مسجد کے لئے چھوڑا ہوا ہے۔

قال صاحب البحر: يصح إن خرجت من الثلث وعين المسجد وإلا فلا.

ان الفاظ سے وقف کرنا درست ہوگا جب کہ ثلث مال میں سے ہو اور مصرف متعین کیا ہو، جیسے یہاں مسجد متعین ہے، اور اگر ثلث مال میں سے گنجائش نہ ہو تو وقف صحیح نہ ہوگا۔

(٢٥) الخامس والعشرون: سبلتُ هذه الدار فی وجه إمام مسجد كذا عن جهة صلواتی وصياماتی تصير وقف وإن لم تقع عنهما.

میں اس گھر کو فلاں مسجد کے امام کے لئے میری نماز و روزوں کی جانب سے خاص کرتا ہوں۔ ان الفاظ سے وقف کرنے سے وقف تام ہوجائے گا۔ اگرچہ نماز، روزوں کی جانب سے واقع نہ ہو۔

(٢٦) السادس والعشرون: جعلت حجرتی لدهن سراج المسجد ولم يزد عليه صارت الحجرة وقفا على المسجد كما قال۔ و ليس للمتولی أن يصرف إلى غير الدهن۔ كذافی المحيط۔

میں اپنے اس کمرہ کو مسجد کے چراغ کے واسطہ خاص کرتا ہوں، واقف نے ان الفاظ پر کوئی زیادتی نہیں کی یعنی بس اتنے ہی الفاظ کہے تو یہ کمرہ مسجد کے لئے وقف ہوجائے گا۔ اور متولی کے لئے قطعاً اس کی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ اس کمرہ کے

اخراجات کو مسجد کے چراغ کے علاوہ کے لئے استعمال کرے۔

(۲۷) السابع والعشرون: ذكر قاضيخان من كتاب الوصايا.

ستائیسواں لفظ قاضی خان نے کتاب الوصایا سے بڑھایا ہے، وہ یہ ہے:

رجل قال ثلث مالي وقف، ولم يزد على ذلك.

کسی شخص نے یوں کہا کہ میرا ثلث مال وقف ہے۔

ابونصر فرماتے ہیں کہ اگر یہ نقود ہے تو وقف باطل ہوگا، اور یہ بمنزلۂ دراہم کے ہوگا، لیکن اگر مال سامان ہے تو یہ فقراء پر وقف شمار ہوگا۔

قال أبو نصر: إن كان ماله نقدا فهذا القول باطل بمنزلة قوله هذه الدراهم وقف، وإن كان من ماله ضياعا يصير وقفا على الفقراء. (تمام البحث من البحرالرائق: ۳۱۸/۵، ۳۱۹)

شرائط الواقف

(۱) واقف کا عاقل ہونا۔ (۲) بالغ ہونا۔ (۳) آزاد ہونا اور (۴) مالک ہونا شرط ہے، لہٰذا بچہ، مجنون، غلام کی طرف سے وقف صحیح نہیں۔

وأما شرائط الوقف: بعضها يرجع إلى الواقف، منها العقل، ومنها البلوغ فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون، ومنها الحرية فلا يملك العبد لأنه إزالة الملك والعبد ليس من أهل الملك. (بدائع: ۵/۳۲۷)

(۵) من جملہ ان شرائط میں سے ایک شرط طرفین کے یہاں یہ بھی ہے کہ واقف شیٔ موقوف کو اپنی ملکیت سے نکال کر ولی، متولی، قیم، کو سپرد کردے، البتہ یہ

شرط امام ابو یوسفؒ کے یہاں نہیں، اور یہی راجح بھی ہے۔

دراصل امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف اسقاط کے درجہ میں ہے جیسا کہ طلاق وعتاق۔ جس طرح لفظ طلاق بولنے سے فورا بیوی کو طلاق واقع ہو جاتی ہے اور عتاق کے لفظ سے غلام آزاد ہو جاتا ہے، اسی طریقہ سے وقف میں وقف کے تلفظ سے شئی، وقف ہو جائے گی۔ وقف کے تام ہونے کے لئے کسی ولی یا ذمہ دار کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

طرفین کے یہاں وقف عام تبرعات کی طرح ہے، جیسے ہبہ؛ اور ہبہ اسی وقت تام ہوتا ہے جب اس پر موہوب لہ کا قبضہ پایا جاوے۔ یہاں بھی جب تک ولی یا متولی مقرر نہ کرلیا جائے وقف کے احکام مرتب نہ ہوں گے۔ لہٰذا شرعی احکام کے ترتب کے لئے طرفین کے یہاں ضروری ہوگا کہ واقف ولی کو مقرر کرے۔

ومنها أن يخرجه الواقف من يده ويجعل له قيما ويسلمه إليه عند أبي حنيفة ومحمد رحهما الله وعند أبي يوسفؒ هذا ليس بشرط۔(بدائع : ٣٢٧/٥)

لايزول ملك الواقف عن الوقف عند ابي حنيفة إلا أن يحكم به الحاكم أو يعلقه بموته فيقول : إذا مت فقد وقفت داري على كذا ،وقال أبو يوسف يزول الملك بمجرد القول وقال محمد لايزول الملك حتى يجعل للوقف وليا و يسلمه إليه ـ قدوري ٤٢٣ بشرى ،الاختيار ٤٦/٣ بيروت

اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی ہے، شامی میں ہے:

هذا بيان شرائط الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقه وجعله ابـويـوسف كـالاعتـاق واختلف الترجيح والأخذ بقول الثانى أحوط واسهـل وفـى الـدرر وصـدر الشريعة وبه يفتى قوله لأنه كالصدقة أى فـلا بد من القبض والافراز ، قوله وجعله أبويوسف كالاعتاق فلذلك لـم يشتـرط الـقبـض والإفـراز أى فيلزم عنده بمجرد القول كالاعتاق بـجـامع اسقاط الملك ،قوله 'واختلف الترجيح' مع التصريح فى كل منهـمـابـان الـفتـوى عـلـيـه لـكن فى الفتح ان قول ابى يوسف اوجه عندالمحققين .(ردالمحتار مع الدرالمختار ٥٣٨/٦ زكريا)

خلاصہ یہ کہ علماء نے دونوں قول کی تصحیح کی ہے،لیکن بقول علامہ حصکفیؒ: امام ابویوسفؒ کا قول احوط اور سہل ترین ہونے کہ وجہ سے اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے اور بقول علامہ شامی کہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ محققین کے نزدیک امام ابویوسفؒ کا قول زیادہ صحیح ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

فـى شـرح الـمـجـمع : أكثر فقهاء الامصار اخذوا بقول محمد والـفتـوى عـلـيــه وفـى الـفتـح الـقـديـر وقول ابى يوسف اوجـه عند الـمـحـقـقين وفى المنية الفتوى على قول ابى يوسف ، فالحاصل ان التـرجيـح قداختلف والاخذ بقول ابى يوسف احوط واسهل ولذاقال فـى الـمـحـيـط : ومشـايـخنا اخذوابقول ابى يوسف ترغيبا للناس فى الوقف . (البحرالرائق ٣٢٩/٥ زكريا)

(٦) واقف پر کسی قسم کی شرعی پابندی نہ ہو، یعنی مجور نہ ہو۔ پس شرعا مجور شخص اہل تبرع میں سے نہیں۔

ومن شرطه أن لا يكون محجوراً عليه حتى لو حجر القاضي عليه لسفه أو دين فوقف أرضا له لا يجوز ، لأن حجره عليه كيُ لا يخرج ماله عن ملكه ليضر بأرباب الديون أو بنفسه ، كذا أطلقه الخصاف .(فتح القدير : ٦-١٨٧)

(٧) واقف کی مختلف فیہ شرطوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام محمد کے نزدیک واقف منافعِ وقف میں کوئی نفع اپنے لیے مشروط نہ کرے۔ جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واقف منافع وقف کو اپنے لیے مشروط کرسکتا ہے۔

دراصل امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ: وقف، کسی شیئ کو اپنی ملکیت سے نکال کر خالص اللہ کے لئے کر دینے کو کہتے ہیں۔ اوراس میں نفع کی شرط لگانا اس مقصدِ اخلاص کو تام ہونے میں مانع ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب خیبر کی زمین وقف کی تو اس میں اپنے لئے کچھ حصہ نفع کا خاص کرلیا تھا۔

وهل يشترط أن لا يشرط الواقف لنفسه من منافع الوقف شيئا ؟ عند أبي يوسف ليس بشرط و عند محمد شرط.

وجه قول محمد : أن هذا إخراج المال إلى الله تعالى وجعله خالصا له وشرط الانتفاع لنفسه يمنع الإخلاص فيمنع جواز الوقف، ولأبي يوسف : ما روى عن سيدنا عمرؓ أنه وقف وشرط في وقفه

لاجناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف و كان يلى أمر وفقه بنفسه. (بدائع : ۵ /۳۲۸)

فتصدق عمر أنه لا يباع أصلها و لا يوهب و لا يورث ، فى الفقراء والقربى والرقاب و فى سبيل الله و الضيف وابن السبيل ، لا جناح على منْ وَلِيَهَا أن يأكل منها بالمعروف أو يطعم صديقا غير متموِّل فيه .(بخارى شريف ، كتاب الوصايا، باب الوقف كيف يكتب ، ۲۵۷۸)

اس مسئلہ میں فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، در میں ہے:

عبارة المواهب فى الوقف على نفسه و ولده ونسبه وعقبه جعل ريعه لنفسه أيام حياته ثم و ثم جاز عند الثانى و به يفتى.(در :۶/۶۹۵)

(۹) وقف میں تابید شرط ہے، یعنی وقف ہمیشہ کے لیے ہی کیا جائے گا۔ پس اگر ابتداءً وقف کے مصارف ایسے متعین کئے ہیں، جن کے متعلق کچھ مدت کے بعد ختم ہونے کا امکان ہو، جیسے فلاں خاندان والے وغیرہ ،تو پھر امام صاحب اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک واقف کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مدتِ متعینہ کے بعد شیئِ موقوف کو ایسے لوگوں کے لئے متعین کردے جن کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہ ہو۔اور اگر اس کا تعین نہیں کیا تو طرفین کے نزدیک وقف درست نہیں ہوگا۔

جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس طرح موقوف علیہم کی دائمی جہت کا ذکر کرنا شرط نہیں ؛ لیکن اگر ذکر کردے تو کوئی حرج بھی نہیں،اس لئے کہ اگرچہ واقف ذکر نہ کرے، بہر حال مدت متعینہ کے بعد فقراء تو اس کے موقوف علیہم کے

طور پر متعین ہی ہیں۔

امام ابو یوسف نے دلیل میں اس بات کو پیش کیا ہے کہ وقف کا ثبوت حضور ﷺ اور صحابہؓ سے ہے، لیکن کسی سے بھی اس شرط کا ثبوت کہیں بھی ذکراً وتسمیۃً نہیں ملتا۔ واقف کی ظاہری حالت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ واقف کا ارادہ مدت متعینہ کے بعد فقراء پر وقف کرنے کا ہے، اگر چہ وہ اس کا تذکرہ نہ کرے۔ پس یہ شرط دلالۃً ثابت ہے اور جو چیز دلالۃً ثابت ہو گویا کہ وہ نص سے ثابت ہے۔

لیکن طرفین کہتے ہیں کہ جہتِ غیر منقطعہ کے متعین نہ کرنے میں وقف کی توقیت لازم آتی ہے اور وقف کے باب میں درست نہیں کہ شیٔ موقوف کو محدود وقت تک وقف کیا جائے، لہٰذا یہ مانع جواز ہے۔

ومنها أن يجعل آخره بجهة لاتنقطع أبدا عند أبى حنيفةؒ و محمدؒ فإن لم يذكر ذلك لم يصح عندهما، وعند أبى يوسف ذكر هذا ليس بشرط بل يصح وإن سمى جهة تنقطع ويكون بعد ها للفقراء وإن لم يسمهم، وجه قول أبى يوسف : أنه ثبت الوقف عن رسول الله ﷺ وعن الصحابة ولم يثبت عنهم هذا الشرط ذكرا وتسمية ولأن قصد الواقف أن يكون آخره للفقراء و إن لم يسمهم، هو فى الظاهر من حاله، فكان تسمية هذا الشرط ثابتا دلالة والثابت دلالة كالثابت نصا، ولهما: أن التأبيد شرط جواز الوقف لما نذكر وتسمية جهة تنقطع توقيت له معنى فيمنع الجواز. (بدائع الصنائع: ٥ / ٣٢٨)

اس مسئلہ میں فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، اس لئے کہ اسی کو اختیار کرنے میں زیادہ احتیاط اور آسانی ہے۔

ويجعل آخره لجهة لاتنقطع، هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة وجعله أبو يوسفؒ كالاعتاق واختلف الترجيح والأخذ بقول الثانى أحوط و أسهل، بحر، وفى الدر وصدر الشريعة : وبه يفتى وأقره المصنف، قال الشامى : لكن فى الفتح أن قول أبى يوسف أوجه عند المحققين. (الدر مع الرد : ٦ / ٥٣٨،٥٣٥ زكريا)

وركنه الألفاظ الخاصة كأرضى هذه صدقة موقوفة مؤبده على المساكين ونحوه من الألفاظ... واكتفى أبو يوسفؒ بلفظ موقوفة فقط أى بدون ذكر تأبيد أو مايدل عليه كلفظ صدقة أو لفظ المساكين ونحوه كالمسجد.

قال الصدر الشهيد : و مشايخ بلخ يفتون بقول أبى يوسف ، ونحن نفتى به أيضا لمكان العرف،

لأن العرف إذا كان يصرفه إلى الفقراء كان كالتنصيص عليهم ، قلت هذا بناء على أن ذكر التابيد أو مايدل عليه غير شرط عنده.

(شامی:۶/۵۲۳)

توضح الاختلاف :

علامہ شامی نے اس مسئلہ میں سیر حاصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ صحیح قول کے مطابق امام محمد اور امام ابو یوسفؒ کا یہ اختلاف الفاظ تابید یا اس کے ہم معنی الفاظ کو لفظوں میں ذکر کرنے اور نہ کرنے میں ہے کہ آیا وقف کے درست ہونے کے لئے الفاظ مؤبدہ یا اس کے ہم معنی الفاظ کی صراحت ضروری ہے یا نہیں؟ طرفین اس کو ضروری قرار دیتے ہیں اور امام ابو یوسف اس کے بغیر بھی وقف کی درستگی کے قائل ہیں۔ رہا مسئلہ معنی تابید کے مشروط ہونے کا تو وہ بالاتفاق مشروط ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر تو وقف وقف ہی نہیں رہتا ہے۔

قال فی الدرر: والصحیح أن التأبید شرط اتفاقا لکن ذکره لیس بشرط عند أبی یوسف، وعند محمد لا بد أن ینص علیه وصححه فی الهدایة أیضا... فظهر بهذا أن الخلاف بینهما فی اشتراط ذکر التأبید وعدمه إنما هو فی التنصیص علیه أو علی ما یقوم مقامه کالفقراء و نحوهم و أما التأبید معناً فشرط اتفاقا علی الصحیح وقد نص علیه محققو المشایخ۔ (شامی :٦/ ٥٣٥ زکریا)

اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول مفتی بہ ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں:

والحاصل: أنه لا خلاف عندهما فی صحة الوقف مع عدم تعیین الموقوف علیه إذا ذکر لفظ التأبید وأما فی معناه کالفقراء وکلفظ صدقة موقوفة و کموقوفة لله تعالی و کموقوفة علی وجوه البر لأنه عبارة عن الصدقة و کذا موقوفة علی الجهاد أو علی أکفان الموتی أو حفر القبور کما فی الخانیة وغیرهما وأنه لاخلاف فی بطلانه لو اقتصر علی لفظ موقوفة مع التعیین کموقوفة علی زید،

خلافا لما فی البزازیة و إنما الخلاف بینهما لو اقتصر بلا تعیین أو جمع مع التعیین کصدقة موقوفة علی فلان، فعند أبی یوسف : یصح ثم یعود إلی الفقراء وهو المعتمد. (شامی : ٦ /٥٣٧ زکریا)

بقول علامہ شامی کے اس مسئلہ کی کل تین صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ واقف نے موقوف علیہ کی تعیین نہیں کی اور لفظ تأبید یا اس کے ہم معنی الفاظ سے وقف کیا تو بالاتفاق وقف صحیح ہوگا۔

۲۔ واقف نے موقوف علیہ کی تعیین فرمادی، البتہ لفظ تأبید نہیں کہا، فقط لفظِ وقف کو ذکر کیا، مثلا یوں کہا: ''موقوفة علی زید'' تو بالاتفاق یہ وقف باطل ہوگا۔

۳۔ تیسری اور مختلف فیہ صورت یہ ہے کہ واقف نے موقوف علیہ کو متعین نہیں فرمایا اور صرف لفظِ وقف کہا یا تعیین کے ساتھ صدقہ اور وقف دونوں کو جمع کردیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہو جائے گا۔ پھر بعد میں وہ فقراء کے لئے وقف سمجھا جائیگا اور یہی معتمد قول ہے۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

ویجعل آخره لجهة قربة لاتنقطع هذا بیان شرائط الخاصة علی قول محمد لأنه کالصدقة وجعله أبویوسف کالاعتاق واختلف الترجیح والأخذ بقول الثانی أحوط و أسهل وفی الدرر وصدر الشریعة وبه یفتی وأقره المصنف وفی هامشه قوله واختلف الترجیح مع التصریح فی کل منهما بأن الفتوی علیه لکن فی الفتح أن قول أبی یوسف أوجه عند المحققین. (الدر المحتار مع رد المحتار : ٦ / ٥٣٥ـ٥٣٨زکریا)

(۱۰) واقف مرض الموت میں نہ ہو، اسی طرح وقف کو اپنی موت پر معلق نہ کیا ہو۔ اس لئے کہ مرض الموت میں کیا ہوا وقف صرف ثلث مال ہی میں نافذ ہوگا؛ کیوں کہ وقف کرنا تبرعات میں سے ہے اور مرض الموت کا تبرع وصیت کہلاتا ہے اور وصیت صرف ثلثِ مال میں ہی نافذ ہوگی، البتہ اگر وارثین مزید کی اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ زائد علی الثلث میں وارثین کا حق وابستہ ہو چکا ہے، اگر وہ اپنا حق چھوڑنا چاہے تو واقف نے جتنا وقف کیا ہو وقف کرنا درست ہوگا۔

أن الـوقف فـی مرض الموت بمنزلة الوصية فی اعتباره من ثلث المال، إلا فی جواز الرجوع عنه، نص علی ذلك الخصاف فی أحكام الأوقاف له، ص: ۲۴۷، لأنه تبرعا فاعتبر فی مرض الموت من الثلث كـالـعتـق والهبة ، وإذا خرج من الثلث جاز غير رضا الورثة و لزم وما زاد عـلـی الثـلـث لـزم الـوقف مـنه فی قدر الثلث ، ووقف الزائد علی إجـازة الورثة، لا نعلم فی هذا خلافا عند القائلين بلزوم الوقف (اعلاء السن : ۱۳ - ۱۷۸)

ولـو عـلـق الوقف بموته بأن قال إذا مت فقد وقفت داری علی كـذا، ثم مات صح، ولزم إذا خرج من الثلث وإن لم يخرج من الثلث يـجـوز بـقـدر الثـلـث ويبـقـی الباقی إلی أن يظهر له مال آخر أو تجيز الـورثـه، فـإن لـم يـظهر له مال آخر ولـم تجز الورثة تقسم الغلة بينهما أثـلاثـا ثـلثهـا لـلـوقف والثـلثان للورثة ولو علّقَهٗ بالموت وهو مريض

مرض الموت فکذلك الحکم. (ھندیه : ۲ / ٤١٦، المکتبة التراث)

شرائط الموقوف : (**المحل**)

(۱) شیئ موقوف مالِ متقوم ہواور غیر منقول (زمین وغیرہ) ہو یا ایسی منقولی چیز ہو جس کے وقف کا تعامل ہو۔

ومحله المال المتقوم أی بشرط أن یکون عقارا أومنقولا فیه تعامل . (شامی :٦ /٥٢٢ زکریا)

اس مسئلہ میں اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک منقولات کا وقف مطلقاً درست نہیں۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منقولی اشیاء میں انہیں چیزوں میں وقف درست ہے، جو غیر منقول کے تابع ہو؛ اس کے علاوہ منقولی چیزوں میں وقف درست نہیں، البتہ امام محمد کے نزدیک ان تمام چیزوں میں وقف درست ہے جن کا تعامل ہو، اس لئے کہ جہاں تعامل ہو وہاں قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے۔

ولایجوز وقف ماینقل ویحول ، وقال ابویوسف اذا وقف ضیعة ببقرها وأکرتها وھم عبیده جاز ، وقال محمد یجوز حبس الکراع والسلاح ۔ (قدوری ٤٢٥ بیروت)

قوله کل منقول قصدا : قال الشامی أما تبعا للعقار فھو جائز بلا خلاف عند ھما کما مر، لاخلاف فی صحة وقف السلاح والکراع : أی الخیل للآثار المشھورة والخلاف فیماسوی ذلك، فعند أبی یوسف لایجوز و عند محمد: یجوز مافیه تعامل من المنقولات. (شامی : ٦ /٥٥٥ زکریا)

اس مسئلہ میں پسندیدہ قول امام محمدؒ کا ہے، اوراسی کو اکثر فقہاء نے اختیار کیا ہے اور یہی صحیح قول ہے۔

واختاره أكثر فقهاء الأمصار كما فى الهداية، وهو الصحيح كما فى الإسعاف، وهو قول أكثر المشائخ كما فى الظهيرية، لأن القياس قد يترك بالتعامل. (شامى : ٦ / ٥٥٥)

اس باب میں مذہب احناف کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

(الف) عقار کے تابع منقول اشیاء کا وقف درست ہے۔

(ب) سلاح اور کراع جیسی منقول اشیاء کا وقف مستقل بھی درست ہے اوران دونوں کے وقف کے درست ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ منقولی چیز مستقلا وقف کی جائے، لیکن اس کے وقف کا تعارف وتعامل ہو، تو اس کا بھی وقف درست ہوگا۔ یہ امام محمد کا قول ہے اور یہی مختار قول ہے۔

(۲) موقوف کا معلوم ومتعین ہونا، وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ اس موقوف چیز میں جہالت نہ ہو یعنی بوقت وقف وہ چیز مجہول نہ رکھی گئی ہو، لہٰذا کسی نے زمین وقف کی، مگر بیان نہیں کیا کہ وہ کہاں کی زمین ہے اور کونسی زمین ہے، تو پوری نوعیت جب تک واضح نہ ہو وقف درست نہیں ہوگا۔

عدم الجهالة : فلو وقف من أرضه شيئا ولم يسمه كان باطلا لأن الشى يتناول القليل والكثير ولو بين بعد ذلك ربما يبين شيئاً قليلا لايوقف عادة. (البحر الرائق :٥ /٣١٥ الوقف)

(۳) امام محمد کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ وقف کی جائداد اگر قابل تقسیم ہو تو مال موقوفہ تقسیم شدہ ہو یعنی وہ علاحدہ اور مشخص ہو، غیر موقوفہ زمین کے ساتھ مشترک نہ ہو؛ امام ابو یوسف کے نزدیک مشترکہ جائداد (مشاع) میں سے اپنے حصہ کا وقف درست ہے۔

اس باب میں مختار اور مفتی بہ قول امام محمدؒ کا ہے۔

وقف المشاع المحتمل للقسمة لایجوز عند محمد و به أخذ مشائخ بخاری وعلیه الفتوی کذا فی السراجیه۔ (هندیه : ۲ / ٤٢٨)

صاحب بحر نے بھی بزازیہ، ولوالجیہ اور شرح المجمع لابن الملک کے حوالہ سے وقف مشاع کے جواز میں امام محمد کے قول کو ذکر کیا ہے اور ان حضرات نے اسی کو مفتی بہ کہا ہے۔

وصرح فی الخلاصة من الإجارة والوقف بأن الفتوی علی قول محمد فی وقف المشاع وکذا فی البزازیة والولوالجیة وشرح المجمع لابن الملك وفی التجنیس وبقوله یفتی. (البحر: ٥ / ٣٢٩ زکریا)

توضیح الاختلاف: امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہ اختلاف صرف قابل تقسیم اشیاء میں ہے، ورنہ جو چیزیں نا قابل تقسیم ہیں جیسے: حمام، کنواں، آٹا پیسنے والی چکی وغیرہ؛ ان میں بالاتفاق مشاع کا وقف بھی جائز ہے۔

سوائے مسجد اور قبرستان کے کہ ان میں بالاتفاق مشاع کا وقف درست نہیں؛ کیوں کہ یہ دونوں خالص اللہ تعالی کے لئے ہوتے ہیں۔ بندوں کی ملک ان میں نہیں ہوتی اور ان کے کسی حصہ کو مشاع غیر مقسوم وقف کرنا ان دونوں کے

خالص اللہ تعالیٰ کی ملک ہونے میں مانع ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

والخلاف فی وقف المشاع مبنی علی اشتراط التسلیم وعدمه لأن القسمة من تمامه فأبو یوسف أجازه لأنه لم یشترط التسلیم و محمد لم یجزه لاشتراطه التسلیم، والخلاف فیما یقبل القسمة، أما ما لایقبلها کالحمام والبئر والرحی فیجوز اتفاقا، لافی المسجد و المقبرة لأن بقاء الشرکة یمنع الخلوص لله تعالی. (شامی:٦/ ٥٥٣)

مشاع چیز:

قابل تقسیم-----------------------------نا قابل تقسیم

ا مسجد یا مقبرہ کے لیے وقف ہو تو وقف صحیح نہ ہوگا

ا کسی اور مقصد کے لیے وقف ہو تو وقف صحیح ہو جائے گا

ا

ا

مسجد و مقبرہ کے لیے وقف ہو تو --------- یا کسی اور مقصد کے لیے:

بدون تقسیم وقف صحیح نہ ہوگا — امام محمد کے نزدیک تقسیم کے بغیر وقف درست نہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک بدون تقسیم بھی وقف درست ہوگا۔

وقف مشاع سے متعلق مصری قانون:

شیخ وہبہ زحیلی مصری عدالت کے ایک فیصلہ کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

فقال الحنفية يشترط فی الموقوف أربعة شروط هی مايأتی: (ومنها) ،الرابع:ان يكون الموقوف مفرزا ، غير شائع فی غيره إذا كان قابلا للقسمة لان تسليم الموقوف شرط جواز الوقف عند محمد، والشيوع يمنع القبض والتسليم ولم يشترط أبويوسف مثل الشافعية و الحنابلة هذا الشرط ، فأجاز وقف المشاع ، لان التسليم ليس بشرط أصل ، بدليل وقف عمرؓ مائة سهم بخيبر

أماالقانون المصری رقم ٤٨ لسنة ١٩٤٦:فقد اخذ برأی أبی يوسف فی جواز وقف المشاع القابل للقسمة علی جهة خيرية كمستشفی أو مدرسة ، إذ لو حصل نزاع أمكن القضاء عليه بالقسمة والإفراز وأخذ برأی الإمام أبی حنيفة وصاحبيه فی عدم صحة وقف الحصة الشائعة لتكون مسجدا أو مقبرة إلا بعد إفرازها : لأن شيوعها يمنع خلوصها لله تعالی ويجعلها عرضة لتغيير جهة الانتفاع بها، فتحول إلی حانوت أو أرض مزروعة ونحوها ، وهو أمر مستنكر شرعا ۔ الفقه الحنفی وادلته ١٨٦/٨

یعنی امام محمدؒ کے نزدیک وقف کے درست ہونے کے لیے شیئ موقوف کو تقسیم کرکے اس پر قبضہ دینا شرط ہے جوکہ مشاع چیز میں ممکن نہیں ،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

١٩٤٦ء میں مصری قانون میں دفعہ ٤٨ کے مطابق ایسی قابل تقسیم مشاع چیزیں جو اچھے اور نیک کاموں کیلیے وقف کی گئی ہو جیسے ہسپتال اور مدرسہ وغیرہ ان

میں مشاع کے وقف کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ نزاع کے وقت بذریعہ قضاء تقسیم اور علیحدگی کر کے اس میں فیصلہ ممکن ہے

اور مسجد اور مقبرہ کے لیے مشاع وقف کی ہوئی زمین میں احناف کے عدم صحت وقف کے قول کو اختیار کیا گیا ہے اس لیے کہ ان چیزوں میں شیوع اخلاص کے مانع ہے اور اس لیے کہ لوگ اسے اپنے مقاصد کے حصول کا وسیلہ بنالیں گے، الگ الگ طریقوں سے استعمال کر کے اس سے نفع اٹھائیں گے مثلاً کبھی اس پر دکانیں بنائیں گے تو کبھی کھیتی باڑی میں استعمال کریں گے اور شرعاً یہ ایک غیر محمود چیز ہے۔

وقف مشاع سے متعلق ہندوستانی مسلم پرسنل لاء

ہندوستانی دستور کے مطابق تسلیم شدہ مسلم پرسنل لاء میں 'وقف' بھی شامل ہے، اور اس موضوع پر تحریر کردہ قانون دانوں اور وکلاء کی کتابوں میں وقف مشاع کی مذکورہ بالا تفصیل مع الاختلاف ذکر کرنے کے بعد مسجد اور قبرستان کے علاوہ مقاصد کے لیے وقف مشاع کو قانوناً درست قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے قبرستان یا مسجد کے مصالح اور نباہ کے لیے مشاع کا وقف کیا تو اس کو بھی درست قرار دیا گیا ہے۔ یعنی مدراس اور الہ آباد ہائی کورٹ ۱۹۲۶ء. کے فیصلوں میں امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کیا گیا ہے۔ (مسلم لاء، مصنفہ: مختار این وہورا، گجراتی، ص: ۵۵۸-۵۵۹/مسلم قوانین کا ضابطہ، گجراتی، مصنفہ: اے این کاریا، ص: ۱۶۵)

شروط الموقوف عليه

'موقوف علیہ' وہ جہت ہے جو شیئ موقوف سے فائدہ اٹھائے، خواہ جہت متعین ہو، جیسے کوئی معین شخص یا جہت غیر متعین ہو، جیسے فقراء اور مساکین۔

اور اس میں مندرجہ ذیل امور شرط ہیں:

(۱) موقوف علیہ قربت اور عبادت کا محل ہو۔

یعنی موقوف علیہ پر وقف کرنے میں عبادت اور قربت کا پہلو پایا جاتا ہو یعنی موقوف علیہ باعث تقرب ہو۔ خواہ موقوف علیہ مسلمان ہو یا ذمی ہو، اس لئے کہ ذمی بھی محل قربت ہے اسی لئے اس پر صدقہ کرنا جائز ہے۔

أن يكون قربة فى ذاته وعند التصرف فلا يصح وقف المسلم أو الذمى على البيعة والكنيسة أو على فقراء أهل الحرب كذا فى النهر الفائق . (هنديه: ۴۱۸/۲)

وفى الشامية : (قيل أو مجوسى) أشار إلى أن الصحيح صحة الوقف عليه ابتداءً كما اختاره فى القنية .

(قوله على المذهب) فيه رد على الطرطوسى حيث شنع على الخصاف بأنه جعل الكفر سبب الاستحقاق و الاسلام سبب الحرمان ، قال فى الفتح ولا نعلم أحدا من أهل المذهب تعقب الخصاف غيره، وهذه للبعد من الفقه فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية وله أن يخص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع فى كلهم قربة

ولا شك أن التصرف على أهل الذمة قربة حتى جاز أن يدفع إليهم صدقة الفطر والكفارات عندنا، فكيف لا يعتبر شرطه فى صنف دون صنف من الفقراء، أرأيت لو وقف على فقراء أهل الذمة ولم يذكر غيرهم أليس يحرم من فقراء المسلمين و لو دفع المتولى إلى المسلمين ضمن، فهذا مثله والاسلام ليس سببا للحرمان بل الحرمان لعدم تحقق سبب تملكه لهذا المال و هو إعطاء المواقف المالك، انتهى. (شامى : ٥٢٧/٦)

(۲) موقوف علیہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ موقوف علیہ میں کارِثواب کا پہلو ہمیشگی کے ساتھ پایا جانا چاہئے۔

ويجعل آخره لجهة قربة لاتنقطع، هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة . (الدر المختار: ٥٣٥/٦)

سابق میں یہ مسئلہ مع اختلاف گذرا کہ وقف مؤقت درست نہیں بلکہ شرط تابید کے ساتھ وقف جائز ہے اور اس کا مدار موقوف علیہم پر ہے، لہٰذا ان موقوف علیہم میں یا خود موقوف میں طاعت وعبادت کا پہلو ہمیشہ پایا جانا چاہئے (اور ساتھ میں موقوف علیہ بھی ہر زمانہ میں پائے جائے تاکہ اس میں صدقۂ جاریہ کا تحقق ہو پاوے۔

ثانيا : أن تكون جهة البر فى الموقوف على دائمة الوجود ، هذا الشرط ليستند إلى وجوب كون الوقف مؤبدا، كما سلف أيضا.... فى شرائط الصيغة، وأن تأبيد الوقف معناه فى الحقيقة أن يكون

للموقوف عليه بقاء استمرار دائم، تحقيقا لمعنى الصدقة الجارية فى الوقف. (أحكام الأوقاف ٦٧ للشيخ مصطفى الزرقا)

(۳) موقوف علیہ مالک بننے کی اہلیت رکھتا ہو، یعنی جس پر وقف کیا جارہا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا مالک بننا صحیح ہوتا ہے۔ یعنی وہ مالک ہونے کا حقیقۃً اہل ہو جیسے زید (معین شخص) اور فقراء (غیر معین اشخاص) یا حکماً اہل ہو جیسے: مسجد، رباط، سبیل وغیرہ اس لئے کہ مساجد وغیرہ پر وقف کو مسلمانوں پر وقف سمجھا جاتا ہے، البتہ اس کی تعیین ایک خاص نفع میں کردی گئی ہے۔

أن يكون الموقوف عليه ممن يصح أن يملك، يشترط الفقهاء أن يكون الموقوف عليه ممن يصح أن يملك، أى أن يكون أهلا للتملك حقيقة كزيد وفقراء أو حكما كمسجد ورباط وسبيل لأن الوقف على المساجد وقفاً على المسلمين إلا أنه عين فى بقع خاص لهم. (الموسوعة الفقهيه:٤٤/ ١٤١)

يشترط فى الوقف على معين بالاتفاق كونه أهلا للتملك و اختلف الفقهاء فى الوقف على المعدوم و المجهول و على نفسه، ذهب الحنفية إلى أنه يصح الوقف على معلوم أو معدوم مسلم أو ذمى أو مجوسى على الصحيح ، لأن المجوس من أهل الذمة الخ ، (الفقه الاسلامى و أدلته : ١٨٧/٨)

وقف میں واقف کی شرطوں کا بیان

وقف کے احکام میں واقف کی شرائط کو بڑی اہمیت حاصل ہے، چنانچہ فقہاء

نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے: شرط الواقف کنص الشارع ۔واقف کی شرط کے شارع کی نص کی طرح ہونے سے مراد یہ ہے کہ واقف کی شرطوں کو سمجھنے میں بھی ان ہی اصول وقواعد کوملحوظ رکھا جائے گا جن کونصوص کی توضیح وتفہیم میں برتا جاتا ہے، دوسرے جیسے شارع کی نصوص پر عمل کرنا واجب ہے، اسی طرح واقف کی شرائط کا احترام اوران کونافذ کرنا بھی واجب ہے۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ شرائط واقف کی رعایت کا حکم علی الاطلاق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقف کی شرطیں تین طرح کی ہیں:

(۱) ایسی شرطیں جو باطل ہیں، ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) جائز شرطیں جن کی مخالفت قطعاً جائز نہیں۔

(۳) ایسی جائز شرطیں کہ بعض اوقات ان کی مخالفت ہی وقف کے مفاد میں ہوتی ہیں، بہ تقاضۂ ضرورت ایسی شرطوں کی خلاف ورزی کی جاسکتی ہے۔

[۱] واقف کی وہ شرطیں جو وقف میں باطل ہے جس کی خلاف ورزی کرنا ضروری ہے اس پر عمل کرنا قطعا جائز نہیں۔ جیسے کسی معصیت پر یا مشرکانہ عبادت گاہ پر وقف کرنا۔

[۲] واقف کی وہ شرطیں جن کی بہ وقت مخالفت جائز ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے کہ سات مسائل ہیں کہ جن میں شرائطِ واقف کی اتباع ضروری نہیں:

(۱) واقف نے شرط لگادی کہ موقوفہ زمین یا مکان ایک سال سے زیادہ مدت کے لئے کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں ہوگی، لیکن لوگ اتنی کم مدت کے لئے

کرایہ دار بننے کے لئے تیار نہ ہوں اور زیادہ مدت کے لئے کرایہ پر دینے میں مقصدِ وقف کا مفاد ہوتو متولی تو اس شرط کی مخالفت نہیں کرسکتا، لیکن قاضی اس کی مخالفت کرسکتا ہے۔

(۲) واقف شرط لگائے کہ اس کا متعین کیا ہوا متولی قاضی معزول نہیں کرسکتا، مگر متولی تولیت کی اہلیت نہ رکھتا ہوتو قاضی اس متولی کو معزول کرسکتا ہے۔

(۳) واقف نے شرط لگائی کہ اس کے پیسے سے اس کی قبر پر قرآن پڑھا جائے تو خاص قبر پر قرآن پڑھنے کی شرط باطل ہوگی۔

(۴) واقف نے شرط لگائی کہ فاضل آمدنی خاص فلاں مسجد میں مانگنے والوں کو دی جائے تو ناظر کو حق ہوگا کہ اس مسجد سے باہر سوال کرنے والے یا کسی اور مسجد میں سوال کرنے والے شخص پر یا ایسے شخص پر جو سوال نہ کرے، لیکن مستحق ہو اس رقم کو خرچ کرے۔

(۵) اگر واقف نے شرط لگائی ہوگی کہ ہر دن مستحقین کو روٹی، گوشت دیا جائے تو متولی کو روٹی گوشت کے بجائے اس کی قیمت تقسیم کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔

(۶) واقف نے امام کے لئے جو تنخواہ مقرر کی ہو، اگر وہ تنخواہ اس کی کفایت نہ کرتی ہوتو قاضی اس میں اضافہ کرسکتا ہے۔

(۷) واقف نے شرط لگادی ہو کہ موقوفہ زمین کا کسی زمین یا شئ سے تبادلہ نہ کیا جائے، لیکن تبادلہ وقف کے مفاد میں ہوتو قاضی تبادلہ کرسکتا ہے۔

(وأما) الاستبدال (بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضى) وهى إحدى المسائل السبع التى يخالف فيها شرط الواقف كما بسطه فى الأشباه۔ قوله: (وهى إحدى المسائل السبع) الثانية: شرط أن القاضى لا يعزل الناظر، فله عزل غير الأهل۔ الثالثة: شرط أن لا يؤجر وقفه أكثر من سنة، والناس لايرغبون في استئجار سنة أو كان في الزيادة نفع للفقراء فللقاضى المخالفة دون الناظر۔ الرابعة: لو شرط أن يقرأ على قبره فالتعيين باطل: أي على القول بكراهة القراءة على القبر و المختار خلافه۔ الخامس: شرط أن يتصدق بفاضل الغلة على من يسأل فى مسجد كذا، فللقيم التصدق على سائل غير ذلك المسجد أو خارج المسجد، أو على من لا يسأل، السادس: لو شرط للمستحقين خبزا ولحما معينا كل يوم فللقيم دفع القيمة من النقد۔ السابعة: تجوز الزيادة من القاضى على معلوم الإمام، إذا كان لا يكفيه و كان عالما تقيا۔ (شامى:٥٨٥/٦تا ٥٨٨)

[۳] واقف کی جو شرطیں شریعت اور وقف کے مفاد کے خلاف نہ ہو، ان کی رعایت کرنا واجب ہے۔

فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية۔(شامى: ٥٢٧/٦)

چنانچہ وقف کو جس جائز مصرف میں خرچ کرنے کی شرط لگائے اس کو اسی مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہے۔

لہذا اگر واقف نے شرط لگائی کہ موقوفہ اشیاء کا نفع فلاں شخص کو اس کی زندگی پھر ملتا رہے گا، یا زندگی بھر وہ خود اس سے نفع اٹھائے گا تو اسے اس کا حق حاصل ہوگا، اگر کہے کہ میں اس زمین کو اللہ کے لئے وقف کرتا ہوں اور میں جس پر چاہوں اس کو صرف کردوں گا، تو اسے حق ہوگا کہ اس کی پیداوار کسی بھی خیراتی مقصد پر خرچ کرے، مساکین پر یا حجاج پر، اسی طرح اگر اس نے اپنے لئے یا اپنے متولی کے لئے وقف کی جائداد کے تبادلہ کی شرط رکھی تو اس کی یہ شرط معتبر ہوگی، اسی طرح اگر اس نے شرط لگائی کہ میں اس وقف کے تحت معلمین میں کمی بیشی، معزولی اور تبدیلی کا اختیار رکھوں گا تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔

متولی کے شرائط

متولی وقف کی شرائط کا بیان:

فقہاء کرام نے وقف کی حفاظت کے لئے اور واقف کے مقصود کی بجا آوری کے لئے اور اس کے حقوق کو کما حقہ انجام کار لانے کے لئے نگران وقف کی کچھ شرطیں متعین کی ہیں۔

(۱) متولی امانت دار ہو، جو بذات خود وقف کے امور کو انجام دے سکتا ہو یا کسی نائب کے ذریعہ سے وقف کی ذمہ داریوں کو انجام دے۔ خائن متولی نہیں بن سکتا، اس لئے کہ ولایت نام ہے امانت داری سے بغیر کسی خیانت کے نگرانی کرنے کا۔ جو کہ خائن میں مفقود ہے لہذا مقصود کے مفقود ہونے کی وجہ سے خائن وقف کی ولایت کا اہل نہیں۔

لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن التولية مقيدة بشرط النظر و ليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود. (الإسعاف فی أحكام الأوقاف:۱۲۹)

(۲) وقف کے متولی کا عقلمند ہونا شرط ہے، پاگل، مجنون متولی نہیں بن سکتا ہے۔

(۳) متولی کا بالغ ہونا شرط ہے۔

البتہ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ بچہ وقف کا متولی بن سکتا ہے یا نہیں؟

شامی کہتے ہیں کہ اسعاف میں یہ بات صراحۃً مذکور ہے کہ بچہ وقف کا متولی نہیں بن سکتا، بالغ ہونا شرط ہے، لیکن الاشباہ فی احکام الصبیان میں مصنف رح کہتے ہیں کہ بچہ متولی بن سکتا ہے، اور شارح اشباہ نے صاحب اسعاف ہی کا قول نقل کیا ہے۔

وأما ما ذكر الشارح فی باب الوصی عن المجتبی من أنه لو فوض ولاية الوقف للصبی صح استحسانا ففيه أن ماذكره صاحب المجتبی صرح به نفسه فی الحاوی بقوله ولو أوصی إلی صبی فی وقفه فهو باطل فی القياس ولكن استحسن أن يكون الولاية اليه إذا كبر--- اھ۔ وهذا ما مر عن الاسعاف . (شامی : ٦ /٥٧٩)

پھر شامی کہتے ہیں: کہ میں نے استروشنی کی احکام الصغار دیکھی اس میں قاضی کہتے ہیں کہ جب واقف نے بچہ کو تولیت سونپ دی ہو تو یہ بشرط الاہلیت

درست ہے، لہٰذا تصرف کا حق بھی ملے گا جیسا کہ قاضی کا بغیر ولی کی اجازت کے بچہ کو مالک بنا دینا اسی طرح ولی صغیر کا حکم ہوگا۔

شامی کہتے ہیں کہ ان دونوں فریق کے اقوال کے درمیان تطبیق دینا ممکن ہے۔

بایں طور کہ جو حضرات تولیت للصبی درست مانتے ہیں وہ حضرات اہل کی شرط کے ساتھ مانتے ہیں اور جو حضرات منع کے قائل ہیں وہ غیر اہل بچہ کی تولیت کے منکر ہیں۔

اسی وجہ سے منع کے قائلین کا کہنا ہے کہ جب واقف نے بچہ کی تولیت کی وصیت کی ہو تو قیاسًا تو درست نہیں ہے، لیکن استحسانا یہ درست ہے اور فی الفورا سے نہیں سونپی جائے گی، بلکہ قاضی بچہ کے بڑا ہونے تک کسی اور کو متولی مقرر کریگا پھر اہل ہونے کے بعد تولیت بچہ کے حق میں ہوگی۔ ھی باطلة مادام صغیراً سے یہ مراد لے سکتے ہیں کہ جب تک سمجھدار نہ ہو جاوے، فإذا کبر یعنی جب سمجھدار ہو جائے، چاہے حدِ بلوغ کو نہ پہنچا ہو تو تولیت سونپ دی جاوے گی، اسی وجہ سے مصنفؒ نے کبُرَ کا لفظ استعمال کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ولیشترط للصحة بلوغه وعقله لما فی الاسعاف: لو أوصی إلی الصبی تبطل فی القیاس مطلقا وفی الاستحسان: ھی باطلة مادام صغیرًا فإذا کبر تکون الولایة له.

وفی فتاوی العلامة الشبلی: وأما الاسناد للصغیر فلا یصح بحال لا علی سبیل الاستقلال بالنطر ولا علی سبیل المشارکة لغیره،

لأن النظر على الوقف من باب الولاية، والصغير يولى عليه لقصوره فلا يصح أن يولى على غيره.

ثم نقل عنه (وقف هلال) ما مر عن الإسعاف بهذه النقول صريحة بأن الصبى لايصلح ناظراً. وأما ما فى الاشباه فى أحكام الصبيان من أن الصبى يصلح وصيا و ناظرا ويقيم القاضى مكانه بالغا إلى بلوغه كما فى منظومة ابن وهبان من الوصايا.

نعم رأيت فى أحكام الصغار للاستروشنى عن فتاوى رشيد الدين قال القاضى : إذا فوض التولية إلى صبى يجوز إذا كان أهلا للحفظ وتكون له ولاية التصرف، كما أن القاضى يملك الصبى وإن كان الولى لايأذن... اهـ وعليه فيمكن التوفيق بحمل ما فى الإسعاف وغيره على غير الأهل للحفظ بأن كان لايقدر على التصرف، وأما القادر عليه فتكون توليته من القاضى إذناً له فى التصرف وللقاضى أن يأذن الصغير وإن لم يأذن له وليه. (شامى: ٥٧٩/٦)

(۴) متولی وقف کا مسلمان ہونا ضروری ہے، جب کہ موقوف علیہ مسلمان ہو یا مسجد وغیرہ ہو۔ البتہ اگر موقوف علیہ مسلمان نہیں بلکہ کافر (ذمی) ہے، تو اس وقت ذمی کا متولی بننا بھی درست ہے۔ قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے’ ولن یجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا ‘(سورۂ نساء:۱۴۱)۔ اللہ تعالی کافروں کو مسلمانوں پر بلند رتبہ نہیں دیتا اور یہی تقریرات رافعی میں علامہ رافعی کہتے

ہیں کہ مصنف علام کا یہ کہنا کہ 'لاحریتہ و إسلامہ' یہ عبارت علی الاطلاق ذمی کی تولیت درست ہونے پر دلالت کرتی ہے۔لیکن صحیح یہ ہوگا کہ اس کو وقف علی الذمی کے ساتھ خاص مانا جائے۔پس اگر ذمی کافروں پر کوئی چیز وقف کرتا ہے تو اس پر ذمی کو متولی بنایا جا سکتا ہے، یہ نہیں کہ عام حالات میں ذمی کو تولیت حاصل ہوگی۔ چہ جائے کہ موقوف علیہم مسلمان ہو۔

لاحریتہ و اسلامہ سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نہ صرف مسلمان کو تولیت کا حق حاصل ہوگا بلکہ ذمی بھی بعض حالات میں متولی وقف بن سکتا ہے جبکہ ذمیوں پر وقف کیا گیا ہو۔کمامر

يشترط للصحة بلوغه وعقله لاحريته وإسلامه (شامي: ٥٧٩/٦)

قال صاحب تقريرات الرافعي على قول الشامي : هذا يدل على أن تولية الذمي صحيحة وينبغي أن يخص بوقف الذمي فإن تولية الذمي على المسلمين حرام، لا ينبغي اتباع شرط الواقف فيها، من خط ابن نجيم، (تقريرات الرافعي على حاشية عابدين : ٦/ ٨٤)

(۵) متولی وقف ایسا نہ ہو جو منصب ولایت کا طلب گار ہو، پس ایسے شخص کو تولیت نہیں سپرد کی جائے گی جو اس کا خواست گار ہو، جیسے ولایتِ قضاء اس شخص کو سپرد نہیں کی جاتی جو منصب قضاء کا خواہش مند ہو۔

وقالوا: ومن طلب التولية على الوقف لايعطى له، وهو كمن طلب القضاء لايقلد. (شامي : ٥٧٨/٦)

(٦) نگران وقف اس چیز میں تصرف کرنے پر قادر ہو جس کی ذمہ داری

اسے سونپی گئی ہے۔ عاجز اور لاچار نہ ہو، اس لئے کہ ایسے آدمی کو نگران بنانے میں مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

و كذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به.(شامى:٥٧٨/٦)

البتہ شامی کہتے ہیں کہ یہ دو آخری شرطیں اولویت کی ہیں، نہ کہ صحت کی، اس لئے کہ پہلی ہی شرط میں یہ واضح کر دیا کہ امانت دار شخص تولیت کا حقدار ہوگا، چاہے وہ انتظام خود سنبھالے یا قدرت حاصل ہونے کی وجہ سے نائب سے مدد لے کر اس کار خیر کو انجام دے، نیز تولیت وقف میں اندھا اور بینا شخص دونوں برابر ہیں، حالانکہ اندھا عاجز ہے، لیکن پھر بھی اس کی تولیت کو درست مانا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ شرائط اولویت ہیں۔

لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بالنظر وكذا تولية العاجز، لأن المقصود لايحصل به ويستوى فيه الذكر و الأنثى وكذا الأعمى و البصير وكذا المحدود فى القذف إذا تاب لانه أمين، وقالوا: من طلب التولية على الوقف لايعطى له، وهو كمن طلب القضاء لايقلد اه والظاهر انها شرائط الاولوية لاشرائط الصحة۔(شامى: ٥٧٨/٦)

الحاصل متولی کے اندر انتظام کی صلاحیت ہو، اور وہ بذات خود یا اپنے نائب کے ذریعہ کام کو انجام دینے پر قادر ہو تو ایسے شخص کو منصب تولیت سپرد کی جا سکتی ہے۔

(۷) متولی غیر فاسق ہونا چاہئے، یعنی ایسے گناہ کے کام کرنے والا نہ ہو

جس سے مال وقف یا اس کی آمدنی کو خلل پہونچے۔ اور اگر ایسا فاسق جس نے سابقہ گناہ سے پکی اور سچی توبہ کرلی تو وہ متولی بن سکتا ہے۔

اسی وجہ سے مفتی بہ قول کے اعتبار سے متولی ایسے گناہ میں مبتلا ہو جو امور وقف سے متعلق نہ ہو تو ایسے متولی کو معزول نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر امور وقف سے متعلق خیانت وفسق کا مرتکب ہو تو مقاصد وقف میں خلل ہونے کی وجہ سے معزول کیا جائے گا۔

وأن الناظر إذا فسق استحق العزل و لاينعزل، كالقاضى إذا فسق لاينعزل على الصحيح المفتى به۔(شامى :٥٧٩/٦)

یہ وضاحت اس شخص کے متعلق ہے، جس کا فسق منصب تولیت پر فائز ہونے کے بعد ظاہر ہوا ہو، اور گناہ ایسا نہ ہو کہ جس سے وقف کو خطرہ ہو، تو ایسے شخص کو معزول نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر متولی بننے سے پہلے ہی اس کا فسق ظاہر ہو اگر چہ اسی کا تعلق وقف سے نہیں، تو بعید نہیں کہ شیطان اس کو مال وقف میں بھی خیانت پر آمادہ کر دے، لہٰذا مطلقا فاسق کو ابتداء منصب تولیت سپرد نہ کی جانی چاہئے۔

الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف ، هكذا فى فتح القدير . (عالمگیری ٣٩٥/٢)

وفى الجواهر : القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضى

(شامی:٥٧٨/٦)

استبدال وقف

وقف کی حقیقت عرفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین و جائداد وغیرہ کو اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تبارک وتعالی کی ملک میں ودیعت کردے تاکہ وہ شیٔ موقوف باقی رہے اوراس کے منافع کوحسب تصریح واقف مصارف خیر میں صرف کیا جاتا رہے۔اوقاف کے منافع سے استفادہ حسب تصریح واقف لازم وضروری ہےجیسا کہ فقہاء کی صراحت ہے کہ شرط الواقف کنص الشارع (شامی ۶/ ۶۴۵) واقف کی صراحت کے خلاف وقف کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فی زمانناتبہت سارے اوقاف سے استفادہ ناممکن ہوگیا ہے، کیوں کہ ان اوقاف کے دوردورتک مسلم آبادیاں نہیں رہیں۔اجاڑ دی گئی یا اجڑ گئی۔کسی واقعہ کا شکار ہوگئی یا کسی ظلم کا شکار ہوئی اوراپنے وطن سے بے وطن ہوئی یا مسلم بستیاں تو ہیں مگران اوقاف پرظالموں کا قبضہ ہےتو ان تمام صورتوں میں وقف کے استبدال کا مسئلہ اٹھتا ہے،یعنی وقف کی چیز کو بیچ کر دوسری چیز خریدنا یا دوسری شیٔ سے تبادلہ کرنا درست ہے یا نہیں ، یہ نہایت ہی اہم مسئلہ ہے،جس کی تفصیل آئندہ صفحوں میں مستقل اجڑے ہوئے علاقوں کی وقف زمینوں کا حکم کے تحت آئے گی ، یہاں نفس استبدال کی اصولی بحث کی جاتی ہے۔لہٰذا استبدال کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں۔

(۱)اس سلسلہ میں اس بات پرتو اتفاق ہے کہ اگر واقف نے اپنے لئے یا کسی اور کے لئے حق استبدال کی شرط لگادی تھی تو بالاتفاق متعلقہ شخص کواس کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ یہ ایک جائز اور معتبر شرط ہے اور استبدال کا عمل واقف کی

شرائط کے دائرہ میں رہتے ہوئے کیا جارہا ہے اور یہ واضح ہے کہ واقف کی شرطیں معتبر ہوتی ہیں جب تک کہ وہ خلاف شرع نہ ہو، اس لئے کہ وہ مالک ہے وہ اسے جیسے خرچ کرنا چاہے کرسکتا ہے، البتہ اس بات کا خیال رہے کہ اس میں کسی قسم کی معصیت نہ ہو۔

(۲) واقف نے اپنے لئے یا کسی اور کے لئے استبدال کی شرط نہیں لگائی، اور نہ ہی وقف نامہ میں استبدال کا کوئی ذکر ہے یا واقف نے یہ صراحت کردی ہو کہ اس موقوفہ زمین کے تبادلہ کا کوئی بھی حقدار نہ ہوگا، ایسی صورت میں استبدال کی اجازت اس وقت ہوگی جب کہ استبدال کے بغیر وقف سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں دیانت دار قاضی کی اجازت سے استبدال جائز ہے۔

(۳) واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو اور وقف تو اب بھی قابل انتفاع ہو، لیکن استبدال کے ذریعہ اس کو زیادہ نفع بخش بنایا جاسکتا ہو تو اس صورت میں استبدال وقف کی قطعی اجازت نہیں ہوگی۔ یہی قول مختار ہے۔

قول المصنف : حاز شرط الاستبدال به الخ قال الشامی: اعلم أن الاستبدال علی وجوه: الأول : أن یشرطه الواقف لنفسه أو لغیره أو لنفسه وغیره، فالاستبدال جائز علی الصحیح، وقیل اتفاقا، والثانی: أن لایشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شیئ أصلا، أولا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحه فیه ، والثالث : أن لایشرطه أیضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعا و نفعا،

وھذا لایجوز استبداله علی الأصح المختار. (شامی : ٦ / ٥٨٣)

تیسری صورت کے بارے میں اختلاف ہے، کہ شئ موقوف قابل انتفاع تو ہے، لیکن زیادہ فائدہ مند بنانے کے لئے دوسری اس سے بھی زیادہ انفع شیئ میں استبدال کیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟ خود شامی نے ایک جگہ استبدال کی جائز صورتوں کو بیان کرتے ہوئے اس صورت کو بھی لکھا ہے اور یوں کہا کہ اسی (جواز) پر فتوی ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس پر فتوی ہوگا یا نہیں؟ صدر الشریعہ کا کہنا ہے کہ ہم امام ابو یوسف کے جواز کے قول پر فتوی نہیں دیتے ہیں، اس لئے کہ اس میں تو وقف کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کہ آئے دن لوگ وقف کا تبادلہ کرتے رہیں گے، حتی کہ وقف وقف باقی نہیں رہے گا اور یہ بات واضح ہے کہ استبدال کی جو اجازت ہے وہ یا تو واقف کی شرط کی بنا پر یا ضرورت کی بنا پر ہے۔ بغیر کسی شرعی ضرورت کے استبدال جائز نہیں، اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موقوف جب قابل انتفاع ہو تو اس کا استبدال درست نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ وقف کو بڑھانا ضروری نہیں، بلکہ اس کو اپنی حالت پر قائم رکھنا ضروری ہے۔

لایجوز استبدال العامر إلا فی الاربع قال الشامی: الأولی : لو شرطه الوقف، الثانیه : إذا غصب غاصب وأجری علیه الماء حتی صار بحرا فیضمن القیمة، ویشتری المتولی بها أرضا بدلا، الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا بینة : أی وأراد دفع القیمة فللمتولی أخذها لیشتری بها بدلا، الرابع: أن یرغب انسان فیه ببدل أکثر غلة وأحسن

صُـقـعًـا ، فيـجوز على قول أبى يوسف وعليه الفتوى كما فى فتاوى قـارى الهـداية، قال صاحب النهر فى كتابه إجابة السائل : قول قارى الهداية والعمل على قول أبى يوسف معارض مما قال صدر الشريعة : نـحـن لانـفتـى بـه ، وقد شاهدنا فى الاستبدال مالايعد ويحصىٰ فإن ظـلـمة الـقـضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين، وعلى تقديره فـقد قال فى الإسعاف : المراد بالقاضى هو قاضى الجنة المفسر بذى الـعلم والعمل اه ولعمرى أن هذا أعز من الكبريت الأحمر وما أراه إلا لـفـظا يذكر، فالا حرى فيه السد خوفا من مجاوزة الحد، والله سائل كلَّ انسان. اه (شامى: ٦ / ٥٨٨)

علامہ ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر بھی اسی صورت کے استبدال کو ناجائز کہتے ہیں:

اور کہتے ہیں کہ اس آخری صورت میں استبدال کے جواز کی کوئی صورت موجود نہیں ،پہلی صورت میں شرط موجود ہے، دوسری میں ضرورت اور آخری میں کوئی قابل قبول وجہ معلوم نہیں ہوتی جس کو بنیاد بنا کر استبدال کے جواز کا فتوی دیا جانا چاہئے۔

ابن ہمام کہتے ہیں:

والـحـاصـل أن الاستبـدال أما عن شرطه الاستبدال وهو مسئلة الـكتـاب أو لا عـن شرطـه، فـإن كـان لـخـروج الـوقف عـن انتفاع الـموقوف عليهم به فينبغى أن لايختلف فيه كالصورتين المذكورتين

لـقاضى خان، و إن كـان لا لـذلك بـل اتـفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمن الـوقف مـاهـو خيـر مـنـه مـع كـونـه منتفعا به فينبغى أن لايجوز لأن الواجب إبـقـاء الـوقف عـلـى ما كان عليه دون زيادة أخرى۔ لأنه لا موجب لتجويزه، لأن الموجب فى الأول الشرط وفى الثانى الضرورة و لاضـرورة فى هذا إذ لاتـجـب الـزيـادة فيه بل تبقيته كما كان(فتح القدير: ٢١٢/٦)

یہ تو اس مسئلہ میں اصولی گفتگو ہوئی۔ اس مسئلہ کی فقہی جزئیات بھی اس سمت میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

صاحب ہندیہ نے استبدال کے جواز کی صورتوں کو کچھ اس طور پر بیان کیا ہے:

إذاشـرط فـى أصـل الـوقف أن يستبـدل بـه أرضا أخرى إذا شاء ذلك فتكون وقفا مكانها، فالوقف والشرط جائزان عند أبى يوسفؒ، وعليه الفتوى كذافى الخلاصه ـ (هنديه : ٢ / ٤٥٣)

ولـوصـارت الأرض بـحـال لايـنـتـفـع بهـا والمعتمد أنـه يجوز لـلقاضى بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناك ريع لـلوقف يعمر به وأن لايكون البيع بغبن فاحش، كذا فى البحر وشرط فـى الإسـعـاف أن يـكـون المستبدل قاضى الجنه المفسر بذى العلم والعمل كذا في النهر۔ (هنديه: ٢/ ٤٥٤)

علامہ ابن نجیم مصریؒ کہتے ہیں:

وفی المنتقی قال هشام : سمعت محمدا یقول الوقف إذا صار بحیث لاینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه ویشتری بثمنه غیره ولیس ذلك إلا للقاضی۔ (البحر الرائق : ٥ / ٣٤٥)

ابن ہمامؒ کہتے ہیں: وینبغی للحاکم إذا رفع إلیه ولا منفعة فی الوقف أن یأذن فی بیعها إذا رآه أنظر لأهل الوقف (فتح القدیر:۲۱۲/٦)

شرائط الاستبدال

استبدال کی شرطوں کا تحقق اس وقت ہوگا جب کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، اور موقوف غیر منتفع ہو چکا ہو، اس لئے کہ اگر واقف نے اپنے لئے یا کسی اور کے لئے استبدال کی شرط لگائی ہو تو اس وقت شئ موقوف کا غیر منتفع ہونا اور اسی طریقہ سے قاضی کے ذریعہ تبادلہ کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ عام حالات میں بھی واقف کو حق ہوگا کہ جب چاہے بغیر کسی سبب کے تبدیل کردے۔

لایخفی أن هذه الشروط فیما لم یشترط الواقف استبداله لنفسه و لغیره فلو شرطه لا یلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضی له، ولا عدم ریع یعمر به کما لا یخفی۔(شامی : ٦ / ٥٨٦)

ان شرائط کا اعتبار استبدال کی دوسری صورت میں ہوگا، وہ یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہیں لگائی، لیکن شئ موقوف اس حال میں ہے کہ اس سے نفع اٹھانا بالکل ممکن نہیں ہے، تو اس صورت میں قاضی کو استبدال کا حق ہوگا۔

اس کی کچھ شرطیں ہیں: جس کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وقف ویران ہو گیا ہو، اور اس کی آمدنی اور اس کا نفع بالکل ختم ہو گیا ہو۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس وقف کی کوئی آمدنی نہ ہو جسے وقف کو آباد رکھا جا سکے۔

۳۔ وقف کی بیع اور اس کا استبدال غبنِ فاحش (بہت زیادہ گھاٹے) کے ساتھ نہ ہو۔

۴۔ بدلنے والا قاضی علم وعمل کا جامع ہو اور وہ استبدال ہی میں وقف کے لئے مصلحت سمجھتا ہو۔

۵۔ اراضیٔ موقوفہ کا تبادلہ دوسری اراضی سے ہو۔ روپئے، پیسے، دراہم و دنانر سے نہ ہو۔ اس لئے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں بدلنے والے لوگ استبدال سے پہلے ہی وقف کے پیسے کو ہضم نہ کر جائے۔

۶۔ وقف کے تبادلہ کا معاملہ مقبول الشہادت شخص ہی سے کیا جائے، ایسے شخص سے نہ کیا جائے، جس کی شرعاً شہادت قبول نہیں ہوتی۔ نیز وقف کے تبادلہ کا معاملہ ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کا دین بدلنے والے پر باقی ہو، کیوں کہ خطرہ ہے کہ بدلنے والا کہیں وقف کو دین کے عوض فروخت نہ کر دے۔

۷۔ ایک موقوف مکان کا تبادلہ دوسرے مکان سے ایک ہی محلّہ میں کیا جانا چاہئے یا اس سے بہتر محلّہ میں ہونا چاہئے۔ اس کے برعکس استبدال کی صورت درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ اگر چہ ممکن ہے کہ اس کی قیمت زیادہ ہو، لیکن

دوسرے محلّہ میں واقع ہونے کی وجہ سے احتمال ہے کہ لوگوں کی رغبت کم ہو جائے۔

۸۔ بدل اور مبدل منہ ایک ہی جنس سے ہو۔

والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضی بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لايكون البيع بغبن فاحش و شرط فی الإسعاف أن يكون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم و العمل لئلا يحصل التطرق إلى ابطال أوقاف المسلمين كما هوالغالب فی زماننا.... اه

ويجب أن يزاد آخرفی زماننا : وهو أن يستبدل بعقار لابد راهم، و دنانيز فإنا قد شاهدنا النظار يأكلونها وقل أن يشترى بها بدلا ولم نر أحدا من القضاة فتش على ذلك مع كثرة الاستبدال فی زماننا اه. (شامی: ٦ /٥٨٦)

خلاصۂ شرائط: علامہ شامی کہتے ہیں کہ استبدلا کی ویسے پانچ شرطیں ہیں: لیکن شارح تنویر نے دوسری اور تیسری کونہیں گنوایا اس لئے کہ اس کا پایا جانا ظاہر ہے، ان کو باضابطہ گنوانا ضروری نہیں۔

حاصله انه يشترط خمسة شروط أسقط الشارح منها الثانی والثالث لظهورهما (أيضا)

چھٹی شرط کا اضافہ صاحب بحر نے کیا ہے، اور ساتویں شرط صاحب قنیہ سے علامہ شامی نے نقل کی ہے۔ اور آٹھویں شرط کا اضافہ علامہ قنالی زادہ نے اپنے رسالہ میں کیا ہے۔

وأفـاد فی البحر زيادة شرط سادس وهو أن لا يبيعه ممن لا تقبل شهـادـة له ولا ممن له عليه دين، وذكر عن القنية ما يفيد شرطًا سابعًا حيـث قـال وفـی الـقـنية مبـادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كـانتـا فـی مـحـلة واحدة أو محلة الأخرى خيرا وبالعكس لا يجوز وإن كـانـت المملوكة أكثر مساحة وقيمة وأجرة لاحتمال خرابها فی أدون الـمـحلتين لدناء تها وقلة الرغبة فيها وزاد العلامه قنالی زاده فی رسالته ثامنا، وهو أن يكون البدل والمبدل من جنس واحد. (ايضا)

علامہ قنالی زادہ نے اپنے رسالہ میں استبدال کی ایک شرط یہ لگائی تھی کہ بدل اور مبدل منہ ایک ہی جنس سے ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بظاہر اس شرط کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ مبدل منہ اگر اس سے بہتر ہو تو مطلوب ہے، جس صورت میں خرچہ کم ہو اور آمدنی زیادہ آئے، تو یہ تو اچھی بات ہے۔

والـظـاهـر عـدم اشتـراط اتحاد الجنس فی الموقوفة للاستقلال لأن المنظور فيها كثرة الريع وقلة المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بـأرض تـزرع ويـحـصل منها غلة قدر أجرة حانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كافة الترميم والتعمير (أيضا)

مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق

مساجد اور دیگر اوقاف میں فقہاء احناف نے مختلف انداز اور مختلف طرز سے فرق کیا ہے۔

اعــلــم أن الــمســجــد يــخــالف ســائر الأوقاف فی عدم اشتراط التسـليم إلى المتولى عند محمدؒ وفی منع الشيوع عند أبی يوسفؒ و فـی خـروجه عن ملك الواقف عند الإمام أبی حنيفة وإن لم يحكم به حاكم كما فی الدرر وغيره (شامی : ٥٤٤/٦)

(۱) امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جب کوئی چیز وقف کرتا ہے تو وہ اس کی ملکیت سے اس وقت تک نہیں نکلتی ، جب تک حاکم اس کے نکلنے کا فیصلہ نہ کر دے، لیکن مساجد چونکہ محض اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا اور عبادت کے لئے وقف کی جاتی ہے اس لئے وقف کرتے ہی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ حاکم کے فیصلہ کی اس میں کوئی ضرورت نہیں۔

امام محمدؒ کے نزدیک مساجد کے سواء دیگر اوقاف کے درست ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کو وقف کرنے کے بعد متولی کو سپرد کر دیا جائے ، لیکن مساجد کا وقف بغیر متولی کے سپرد کئے درست ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ چونکہ اوقاف کے درست ہونے کے لئے متولی کو سپرد کرنا شرط قرار نہیں دیتے ، اسی لئے وقف مشاع جو قابل قسمت ہو اس کو بھی جائز قرار دیتے ہیں، اور اس اعتبار سے ان کے یہاں بھی مسجد کو وقف کر کے کسی کو سپرد کرنے کی شرط نہیں، البتہ وہ بھی مشاع زمین مساجد کے لیے وقف کرنا جائز قرار نہیں دیتے۔

واذا بـنـی مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويـأذن لـلـنـاس بـالـصـلاة فيه فاذا صلى فيه واحد زال ملكه عند ابی

حنیفةؒ ۔وقال ابویوسفؒ یزول ملکه عنه بقوله: جعلته مسجدا ۔
(قدوری ۴۲۷ بشری ، الاختیار ۳/ ۵۰ بیروت)

اس مسئلہ میں فتوی امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے،صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

واذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویأذن للناس بالصلوة فیه ..... وقال ابویوسف یزول ملکه بقوله جعلته مسجدا لان التسلیم عنده لیس بشرط لأنه اسقاط لملك العبد فیصیر خالصا لله تعالی بسقوط حق العبد وصار کالاعتاق. (هدایة ۶۲۲/۲ مکتبه بلال)

امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کسی چیز کو وقف کرنا اس چیز پر سے اپنی ملکیت ختم کرکے باری تعالی کی ملکیت میں دینا ہےاوراسے اسقاطِ ملک کہتے ہیں،اس لیے تسلیم وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی،محض قول سے ہی ہوجاتا ہے،جیسے کہ اعتاق میں بولتے ہی غلام آزاد ہوجاتا ہے،کسی اورعمل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ اکثر مشائخ اوراصحاب متون نے اس قول کواختیار کیاہے کہ فعل کی طرح قول سے بھی مسجد وقف شمار ہوگی اور مفتی بہ قول کے مطابق قول کا بھی اعتبار کیاجائے گا۔

ولقائل ان یقول : اذا قال جعلته مسجدا فالعرف قاض وماض بزواله عن ملکه ایضا غیر متوقف علی القضاء وهذا هو الذی ینبغی ان لایتردد فیه قلت یلزم علی هذا ان یکتفی فیه بالقول عنده وهو

خلاف صريح كلامهم وفي الدر المنتقى وقدم في التنوير والدررو الوقاية وغيرها قو ل ابى يوسف وعلمت ارجحيته في الوقف والقضاء ۔ شامی ٦/٥٤٦ زكريا طحاوی على الدر ٢/٥٣٦ مكتبة الاتحاد ديوبند ،الدرالمنتقى ٢/٥٩٥ كوئٹه۔

قوله اما لوتمت المسجدية : أى بالقول على المفتى به او بالصلاة فيه على قولهما ۔ شامی ٦/٥٤٨ زكريا

واذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عندابى يوسف، وفى هامشه : اختلف الترجيح ،فقال عامة المشائخ : والفتوى على قول محمد و كثير من المشايخ اخذ وابقول ابى يوسف ،وقالوا : عليه الفتوى وقال الحصكفى والاخذ بقول الثانى احوط واسهل وفى الدر عن صدرالشريعة وبه يفتى واقره المصنف وصححه ابن الهمام وافاد ايضا : هو الصحيح عندالمحققين ۔ مختارات النواز ل ٣/٢٠٤ ايفا پبليكيشنز نئى دهلى

(۲) مساجد اور دیگر اوقاف میں دوسرا بڑا فرق ہے کہ مسجدیں ویران ہو جائیں اوراس کے گردونواح اجڑ جائے اور جس مقصد کے لئے متعین کیا گیا ہے اس سے استغناء ہوجائے تب بھی مسجد باطل نہیں ہوتی، اس لئے کہ مسجد صرف محلّہ یا گاؤں کے لئے متعین نہیں ہوتی، بلکہ عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتی ہے۔ اورشرعی مسجد کے لئے بناءاور عمارت بھی شرط نہیں بلکہ تنہا خالی زمین بھی مسجد ہوسکتی ہے، کما ہوالظاہر۔اس کے برخلاف دیگر اوقاف کے منافع کا سلسلہ ختم ہوجائے تو

چوں کہ ایسے اوقاف کے ویران ہونے سے مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے، اور مقصد ان کی آمدنی سے موقوف علیہم کی مدد ہوتی ہے، اس لیے ان کا حکم جداگانہ ہے۔

والفرق بينها وبين المساجد لاتبطل بخرابها أو خراب ماحولها واستغناء عنها الجهة التى عنيت له لأنها لم تجعل المساجد لأهل المحلة والقرية بل للعامة ولا يشترط للمسجدية البناء بل العرصة وحدها المسجد كمالا يخفى، بخلاف سائر الأوقاف التى سبلت ثمرتها فإنها إذا خربت تعطلت منافعا تبطل الجهة التى عنيت له وهى إعانة الموقوف عليهم بغلتها. فافهم. (اعلاء السنن: ۲۱٤/۱۳)

(۳) ذمی کا وقف، مسجد کے علاوہ وقف کی دیگر جہات میں بالاتفاق درست ہے، جب کہ وہ جہت مسلمان اور ذمی ہر دو کے نزدیک قربت سمجھی جاتی ہو۔ البتہ ذمی کا وقف علی المسجد صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل ان شاءاللہ آگے آئے گی۔

اجڑے ہوئے علاقوں کی ویران زمینوں کا حکم

اجڑے ہوئے علاقوں کی وقف زمینیں دو طرح کی ہوسکتی ہیں، ایک وہ زمینیں جس پر مسجدیں قائم ہوا اور دوسری وہ زمینیں جو قبرستان، مدرسے، خانقاہیں وغیرہ کی شکل میں ہو، چاہے بعد میں اس کی شکل وصورت بدل دی گئی ہو، لیکن وقف ان مقاصد کے لئے ہوا ہو، ان دونوں طرح کی زمینوں کا حکم کیا ہوگا اس میں قدرے تفصیل ہے، آیا اس کا استبدال درست ہوگا یا نہیں؟ اور بعد الاستبدال غرض واقف کی پابندی ضروری ہے یا مطلق کار خیر کے لئے ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟

اس مسئلہ پر مجمع الفقہ الاسلامی الہند کا ایک اہم سیمینار مورخہ ۲۴، ۲۵، ۲۶ ر اکتوبر ۱۹۹۷ء کو ممبئی کے حج ہاؤس میں منعقد ہوا، جس میں وقف کے بہتر انتظام، وقف کی افادیت میں اضافے اور ویران اوقاف کو مفید بنانے کی صورتیں وغیرہ اہم موضوعات پر ملک اور بیرون ملک کے صاحب نظر علماء اور دانشوروں کی رائے لیکر ایک اجمالی فیصلہ کیا گیا۔

اس موقع پر اس مسئلہ کے متعلق جواب دینے والے علماء کرام مفتیان عظام کی کل تعداد ۴۴ ہیں جن میں نامور مقالہ نگار مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی وغیرہ ہیں۔

اسی عنوان کے تحت مجمع الفقہ الاسلامی نے چند اہم سوالات قائم کئے تھے وہ یہ ہیں:

بہت سے اوقاف (خصوصا پنجاب و ہریانہ اور دہلی ومغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکے ہیں اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے، اس میں قبرستان، مدارس وخانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصدِ واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے؟

باء۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟

جیم۔ کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کر دئے جائیں؟ (مجموعہ مقالات، اوقاف، اسلامک فقہ اکیڈمی: ۷۵)

مذکورہ سوالات بنیادی طور پر استبدال وقف سے متعلق ہیں، سابق میں استبدال وقف سے متعلق بحث گذر چکی ہے، استبدال کی صورتیں اور استبدال کی شرائط کو بھی وہاں بیان کیا گیا ہے، یہاں اس سیمینار میں پیش کیے جوابات اور فیصلہ کی روشنی میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے، تاکہ استبدال وقف کے مسائل سے متعلق بصیرت تامہ حاصل ہو سکے۔

استبدال کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) وقف کی جائداد کو فروخت کر دیا جائے یا زمین کا تبادلہ کر لیا جائے۔ (۲) موقوفہ زمین تو برقرار رہے، لیکن غرض واقف کی رعایت کئے بغیر دوسرے کار خیر میں استعمال کی جائے، جہاں مدرسہ یا مسجد یا قبرستان کی تعمیر میں کوئی فائدہ نہ ہو، اس طور پر کہ وہاں مسلمان آباد ہی نہ ہو،

لہٰذا وہاں اسکول تعمیر کی جائے یا دکانیں وغیرہ تعمیر کر کے کرایہ پر دی جائے اور اس کرایہ کو غرض واقف کی تکمیل کے لئے واقف کے بتائے ہوئے مصرف میں لگایا جائے۔

چنانچہ استبدال کا مسئلہ مسجد کے علاوہ دیگر اوقاف کی زمینوں سے متعلق ہے، اس لئے کہ مسجد جب ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے تو وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے، اس کی مسجدیت ختم نہیں کی جاسکتی، چونکہ دوسرے اوقاف کے مقابلہ میں مسجد کا تقدس واحترام زیادہ ہے، اس کی فروختگی اور منتقلی کسی بھی حال میں درست نہیں۔ اہل محلّہ موجود نہ ہوں یا اس سے مستغنی ہو جائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے، اور اسے مسجد کا تقدس حاصل رہتا ہے، پس اس مسجد کو آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا (سورة الجن:۱۸)

مساجد میں نماز سے روکنا بدترین ظلم ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها (سورة البقرہ:۱۱۴) کسی مسجد میں مسلمانوں کو خواہ کتنے طویل زمانہ سے نماز اداء کرنے سے روک دیا گیا ہو یا اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا ہو یا عمارت منہدم کر دی گئی ہو، اسلامی شریعت کی نظر میں وہ مسجد ہی رہتی ہے، (کما بینا فیما مر)

وقف کی زمین کا ویران ہونا دو طرح سے ممکن ہے:

(۱) کاشت کی زمین تھی قابل کاشت ہی نہیں رہی۔

(۲) مسلمانوں کے اس جگہ میں غیر آباد ہونے کی وجہ سے حکومت یا غیروں

کے ناجائز قبضہ ہونے کی وجہ سے وہ وقف کی زمین غیر آباد ہوگئی۔

لہٰذا استبدال کے جواز کی جو صورت ہے وہ اس وقت ہے جب کہ اوقاف کی زمین سے انتفاع بالکل ممتنع و منقطع ہو جائے، بایں صورت کہ زمین قبرستان کے لئے وقف تھی، لیکن وہ زمین اس حال میں ہے کہ وہاں مردہ دفن کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی اس علاقہ کے مسلمانوں کے پاس اتنی رقم ہے کہ دوسری زمین خریدے اور اس زمین پر مسجد یا مدرسہ قائم کرے تو ایسی حالت میں اس زمین کو فروخت کر کے دوسری زمین کا تبادلہ درست ہوگا، ان جیسی حالتوں میں استبدال کا جواز ہے۔

دوسری زمینیں جس پر غیروں کا ناجائز قبضہ ہے چاہے وہ زمین مسجد کے لئے وقف ہو یا مدرسہ و خانقاہ کے لئے وقف ہو؛ اس میں استبدال کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، بلکہ مسلمانوں کا اخلاقی فریضہ ہے کہ ان اوقاف کو قائم و دائم کرنے کے لئے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگائے، اس لئے کہ آج ایک زمین کا تبادلہ کیا جائے گا تو کل دوسری پر قبضہ کریں گے جس سے ان کی اس پر جرأت بڑھتی جائے گی اور اوقاف پامال ہوتے جائیں گے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ایک فتوی کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ظلماً اگر کوئی شخص وقف کی زمین پر قبضہ کرے اور واقف چاہے کہ میں اس کے بدلہ دوسری زمین وقف کر دوں تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہرگز نہیں، پہلی زمین ہی وقف میں دینی چاہئے۔ (کفایت المفتی ۲۸۱/۷)

مولانا شرف علی تھانویؒ سے بھی دہلی کی ویران مساجد و مقبرے کے اوقاف کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے استبدال کی بالکل اجازت نہیں دی، ذیل میں اس

فتوی کومع الاستفتاء ذکر کیا جاتا ہے:۔

سوال: (۱۵۰۱): قدیم ۲/۶۰۸، (استفتاء) پرانی دہلی میں بہت سی مساجد قدیمہ ایسی ہیں جو گردش زمانہ سے بالکل ویران ہوگئی ہیں اور قطعی طور پر غیر آباد ہیں ان میں سے اکثر پرلوگوں نے مالکانہ تصرف کرلیا ہے اوران میں یا تو رہائش اختیار کر لی ہے یا مویشی باندھتے ہیں یا ان کا چارہ ازقسم بھوسہ وغیرہ رکھتے ہیں بعض ایسے بھی ہیں کہ جو بالکل خالی ہیں اوران کو وہ لوگ جنہوں نے کہ اس زمین کو جہاں کہ وہ واقع ہیں قبضہ کیا ہے یا ترکہ میں پایا ہے، اپنی ملکیت گردانتے ہیں پس علماء دین متین سے یہ سوالات ہیں:

[۱]: آیا کہ مسجد کسی وقت میں کسی کی ملکیت ہوسکتی ہے یا نہیں اوراس کو کوئی شخص اپنی ملکیت بنا کرفروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

[۲]: اگر کوئی شخص کسی مسجد پر مالکانہ تصرف رکھتا ہوتو یہ امر ضروری ہے یا نہیں کہ اس کے قبضہ تصرف سے وہ مسجد نکال لی جاوے اوراس کو بطور مسجد رکھا جاوے؟

[۳] پرانی دہلی میں مقبرۂ قدیمہ بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اوران میں سے اکثر کی یہی کیفیت ہے، جو مذکورہ بالا مساجد کی ان مقبروں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا.

الجواب: [۱] فی الدر المختار: ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبدا إلی قیام الساعة وبه یفتی الحاوی القدسی وعاد إلی الملك أی ملك البانی أو ورثته عند

محمد و عن الثانی ینقل إلی مسجد آخر بإذن القاضی .

وفـی رد المحتار : قوله ولو خرب ما حوله الخ أی ولو مع بقائه عامرا وكـذا لـو خـرب ولیـس لـه مـا یـعـمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر، قوله عند الامام والثانی ، فلا یعود میراثا ولا یجوز نقله و نـقـل ماله إلی مسجد آخر؛ سواء كانوا یصلون فیه أو لا وهوالفتوی، حـاوی الـقـدسـی وأكثر المشائخ علیه، مجتبی وهو الأوجه، فتح، اه بـحـر، قال فی الإسعاف و ذكر بعضهم أن قول أبی حنیفة كقول أبی یوسف و بعضهم ذكره كقول محمد. (شامی :٦/ ٥٤٨)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت کسی کی ملک نہیں ہوسکتی اور اس کو کوئی شخص اپنی ملک بنا کر فروخت نہیں کرسکتا۔

[۲]: یہ نکال لینا ایک فرد ہے ازالہ منکر کا، سواس کا مدار قدرت پر ہے، اگر کسی کو اس پر قدرت ہو تو اس پر واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے نا گواری اور عمل میں صبر کافی ہے۔ وهذا من قواعد الشرعیه .

[٣] وفـی الدر المختار بعد العبارة المارة فی [١] وكذا الرباط والبئر إذا لـم یـنـتـفـع بهـا ،(شـامـی: ٦/ ٥٤٩) قـلـت قـولــه وكذا أی مثل الـمـسـجـد فـی الـحـكـم أی عـدم عوده إلی ملك أحد ویتفرع علیـه الحكم المذكور فی [٢]

اس سے ثابت ہوا کہ ان قبروں کا بھی وہی حکم ہے جو مساجد کا مذکور ہوا۔

(امداد الفتاوی:٦/ ٥٩ تا ٦٢ جدید زکریا)

الحاصل: مقبوضہ اوقاف چاہے مساجد کی شکل میں ہو یا مدارس، خانقاہ وغیرہ تمام صورتوں میں استبدال درست نہ ہوگا۔ یعنی محض اس وجہ سے تبادلہ کیا جاوے کہ اس پر غیر قبضہ کر بیٹھا ہے درست نہیں۔

کیوں کہ اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ہٹانا ہندوستانی مسلمانوں اور حکومت ہند کی اہم ترین ذمہ داری ہے، اوقاف کی جائدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آور اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے، اور اسی سلسلے میں ایسے قانون بننے چاہئے جن سے اوقاف کی جائداد کا تحفظ ہو اور وقف کرنے والوں کے مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نافعیت میں اضافہ ہو۔

البتہ جو آبادیاں مسلمانوں سے کلیۃ خالی ہو چکی ہیں وہاں کے اوقاف کا تحفظ وہاں کے وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے اور قریبی مسلم آبادی کو ان کے تحفظ کی جدوجہد کرنی چاہئے۔

مساجد کے علاوہ دوسرے وہ اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں، جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا نا قابل عمل ہو گیا ہے، اور ان اوقاف پر قبضۂ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے (یا غاصب نے اس پر قبضہ کر بیٹھا ہے اور حکومت سے بھی اپنا قبضہ ثابت کر دینے کا پورا خطرہ ہے اور اگر اس نے اپنا قبضہ ثابت کر دیا تو زمین کلیۃً ہاتھ سے جانے کا ڈر ہے تو ایسے اوقاف کو غاصب کے اس

غصب پر قیاس کر سکتے ہیں، جس میں غاصب نے غصب کر کے وقف زمین میں پانی بہا دیا ہو اور پھر اس کا حاصل کرنا ممکن نہ رہا ہو تو ایسی صورت میں استبدال کی گنجائش ہے، لہٰذا یہاں بھی جب کہ وقف سے فائدہ کلیۃً منقطع ہونے کا اندیشہ ہو تو) مجمع الفقہ الاسلامی نے اس سلسلہ میں یہ تجویز پاس کی ہے جس کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

ایسے اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقامات پر اسی نوع کے اوقاف قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

(الف): اس بات کی تحقیق کر لی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیۃً ختم ہو چکی ہے اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں۔

(بایں صورت کہ وہاں غیر مسلم آبادیاں قائم ہو چکی ہے اور ان کا اصول ہے کہ اس جگہ کسی مسلم کو فلیٹ، مکان یا زمین نہ بیچی جائے ایسی صورت میں وہاں مسلمانوں کا آباد ہونا متوقع نہیں)

(ب): وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

(ج) وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ

ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

(د) وقف جائداد کی فروختگی روپے پیسہ کے بجائے جائداد سے کی جائے اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے کی جائے تو جلد از جلد اس کے ذریعہ جائداد خرید کر متبادل وقف قائم کر دیا جائے۔

(ھ) وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف، متقی و خداترس علماء اور مسلمان متدین ماہرینِ قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعاً کافی نہیں؛ اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعا اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دوکان، مکان، زمین جائداد کو فروخت کر کے جو دوکان، مکان ، زمین جائداد خریدی جائے گی وہ بھی انہیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی جن کے لئے پہلا وقف پراپرٹی وقف تھی۔

اس بارے میں اسلام کا اصل نقطۂ نظر یہی ہے کہ جب واقف نے ایک مصرف متعین کیا اور وقف تام ہو گیا تو خود واقف کے لئے اس کا مصرف بدلنا درست نہیں، کیونکہ اب اس کی ملکیت میں وہ شیئ باقی نہیں، لہٰذا مالکانہ تصرف نافذ

نہیں ہوں گے، اسی طرح سے دوسرے حضرات کو بھی اس کی اجازت نہیں کہ مدات کو تبدیل کرے، ایسی تبدیلی میں واقف کی شرط کی مخالفت لازم آتی ہے، اور واقف کی شرط کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

لہٰذا اکیڈمی نے یہی تجویز پاس کی ہے کہ (الف) ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ میں مذکور مدات پر صرف کی جائے، اور اگر یہ مدات موجود نہ ہوں تو ان سے قریب ترین مدات پر صرف کیا جائے، منشاء واقف کا لحاظ کئے بغیر دیگر مصارف پر صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

(ب) اگر ویران غیر آباد اوقاف فروخت کرنے پڑیں تو ان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔ (فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۴۹)

منقول و غیر منقول اشیاء کا وقف

محلِ وقف یعنی موقوف کے متعلق شرائط کے ضمن میں یہ گزر چکا ہے کہ شیٔ موقوف عقار یا غیر منقولی ہونی چاہئے۔ منقولات کا وقف یا تو تبعاً درست ہے، یا عرف وتعامل کے سبب بعض منقولی اشیاء کا وقف مستقلا بھی درست ہے۔

یہاں عقار یعنی غیر منقول اور منقول اشیاء کے وقف کے متعلق مزید تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

کسی آدمی نے اپنی زمین وقف کی تو اس وقف میں کون کون سی اشیاء زمین کے علاوہ تبعاً شامل ہوگی اسکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

وقف عقار میں براہِ راست صراحت اور ذکر کئے بغیر، وہ تمام ملحق اشیاء

شامل ہوں گی جو کسی زمین کی بیع یا اجارہ میں بھی شامل سمجھی جاتی ہیں، چنانچہ کسی زمین کو وقف کرنے کی صورت میں زمین پر موجود عمارت، درخت اور اس طرح کی دیگر وہ تمام اشیاء شامل ہوں گی جو زمین پر ایک سال سے زائد مدت تک ملحق و باقی رہتی ہیں۔ جیسے پانی کے اسباب، راستے اور اس کے متعلقات۔

ظاہر ہے کہ زمین کا وقف اس سے انتفاع اور غلہ کی پیداوار کے لئے ہوگا اور وہ پانی اور راستے کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لئے اجارہ کی طرح وقف میں بھی یہ سب چیزیں زمین کے ساتھ شامل ہو جائے گی، اسی طرح پانی کی چکی، اور رہٹ اور اتصال قرار رکھنے والے سیراب کرنے کے آلات بھی زمین کے ساتھ وقف میں شامل ہو جائیں گے۔ گرچہ اس کی صراحت نہ کی ہو۔

البتہ زمین کے وقف میں وہ اشیاء داخل نہیں ہوگی جو زمین پر ایک سال سے زائد باقی نہیں رہتی۔ جیسے روئی کی کھیتی یا گیہوں یا جَو کی فصل؛ چاہے اس کی قیمت ہو یا نہ ہو اور اسی طرح درخت پر موجود پھل بھی عقار کے وقف کے موقع پر شامل نہیں ہوں گے۔ خواہ اس کو کھایا جاتا ہو جیسے: سیب، یا نہ کھایا جاتا ہو، جیسے: گلاب، یا چنبیلی وغیرہ؛ یہ چیزیں واقف کی ملکیت ہوگی۔

واقف کی صراحت سے وقف میں شامل ہونے والی اشیاء:

زمین کے وقف میں زمین کے تابع وہ اشیاء جو بغیر صراحت کے داخل نہیں ہوسکتی، ان اشیاء کے شاملِ وقف کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) واقف زمین کو اس حال میں وقف کرے کہ اس میں فصل موجود ہو، یا درخت لگے ہو، جس پر پھل وغیرہ وقف کے وقت موجود ہوں تو درخت پر موجود

پھل کا کیا حکم ہوگا؟

ناطفی ذکر کرتے ہیں کہ زمین کو وقف کرتے وقت واقف کے الفاظ میں عموم وشمول ہوں، مثلاً: 'میں اس زمین کو اس کے تمام تر حقوق کے ساتھ وقف کرتا ہوں' یا یوں کہے: کہ 'جو کچھ بھی اس میں ہے یا جو بھی اس سے متعلق ہے وہ تمام چیزیں وقف' تو اس صورت میں ان اشیاء کو بھی وقف میں شامل مانا جائے گا، یہی مناسب اور اولی ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ واقف نے (بجميع ما فيها و منها) جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہو، اور ان پھلوں کا حکم وہی ہوگا، جو پھل وقف کرنے کے بعد ان درخت پر آئے۔ لہٰذا ان پھلوں کو واقف کے بتائے ہوئے موقوف علیہ پر صرف کیا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ بھی اشیاء وقف میں سے ہیں۔

جب کہ علامہ ہلالؒ کہتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کو وقف میں شامل نہ مانا جائے؛ بلکہ واقف کی ملکیت کو باقی رکھا جائے، لیکن استحساناً یہ حکم دیا جائے گا کہ واقف پر ضروری ہے کہ ان پھلوں کو جو درخت پر وقف کے وقت موجود تھے، فقراء پر بطور نذر صدقہ کردے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف زمین سے فائدہ حاصل کرنے میں معین اشیاء کو صراحۃً ذکر کرے، جیسے: مویشی، ہل، گاہنے کا مشین وغیرہ؛ چوں کہ یہ مستقل آلات ہیں، اور ان کا زمین کے ساتھ کوئی اتصال نہیں اور نہ ہی وہ زمین کے توابع میں شمار ہوتے ہیں، تو ان کا حکم یہ ہے کہ ان کا مستقلا ذکر کیا جاتا ہے تو صاحبینؒ کے یہاں ایسی چیزوں کا وقف کرنا درست ہوگا، امام ابو یوسفؒ کے یہاں اس لئے کہ یہ بھی ایک طرح سے زمین کے تابع ہے، اس کے بغیر کھیت سے

مقصود حاصل کرنا ممکن نہیں، اور یہ قاعدہ ہے کہ بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جو تبعاً تو درست ہو جاتے ہیں لیکن قصدا، ارادۃً، مستقلاً وہ درست نہیں ہوتے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان اشیاء کا وقف اس لئے درست ہیں کہ امام محمدؒ قصدا بعض منقول اشیاء کے وقف کو درست قرار دیتے ہیں، اور یہ تو تابع ہے جو بطریق اولی درست ہوں گے۔

وفی الدر: ولو وقف العقار ببقره و أكرته صح استحسانا تبعا للعقار

وفی الرد: صح استحساناً فإنه قد يثبت من الحكم تبعاً ما لا يثبت مقصوداً كالشرب فی البيع والبناء فی الوقف و هذا قول أبی يوسف محمد معه، لأنه أجازه افراد بعضِ المنقول بالوقف فالتبع أولى، قال فی الإسعاف و يدخل فی وقف الأرض ما فيها من الشجر والبناء دون الزرع والثمرة كما فی البيع، ويدخل أيضاً للشرب والطريق كالإجارة .... ولو زاد فی وقف الأرض بحقوقها و جميع ما فيها و منها على الشجرة ثمرة قائمة يوم الوقف، قال هلال: لا تدخل قياساً و فی الاستحسان يلزمه التصدق بها على وجه النذر لا الوقف، و ذكر الناطفی إذا قال بحقوقها تدخل فی الوقف وهذا أولى خصوصا إذا زاد بجميع ما فيها ومنها، ولو وقف دارا بجميع ما فيها و فيها حمامات يطرن أو بيتا و فيه كورات عسلٍ، يدخل الحمام والنحل تبعاً للدار والعسل، كما لو وقف ضيعة و ذكر ما فيها من

العبید والدوالیب وآلات الحراثة، اه، ملخصاً، وقوله ذکر ما فیها الخ، یفید عدم الدخول بلا ذکرہ، وبه صرح فی الفتح و قد اختصر فی البحر عبارۃ الإسعاف اختصاراً مخلاً. (شامی : ٦/٥٥٢)

اشیاء منقولہ کا مستقل وقف

اب تک بحث ان منقول اشیاء کی تھی جن کا زمین سے تعلق ہوتا ہو، جس میں صاحبینؒ جواز پر متفق ہے، یہاں اس عنوان کے تحت ان منقولی اشیاء کی بحث مقصود ہے جن کا عقار سے کوئی تعلق نہیں، اس بابت صاحبینؒ میں اختلاف ہے: امام ابو یوسفؒ ان اشیاء کے وقف کو ناجائز کہتے ہیں، البتہ امام محمدؒ ایسی اشیاء کے وقف کو جائز سمجھتے ہیں جو منقولی ہوں اور ان کا تعامل ہو۔

قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ منقولی اشیاء کا وقف مطلقاً صحیح نہیں ہونا چاہئے، پھر چاہے وہ عقار کے تابع ہو یا غیر تابع مستقل ہو، چاہے عرف ایسی اشیاء کے وقف کا رائج ہو یا نہ ہو؛ اس لئے کہ ان میں وقف کی ایک شرط نہیں پائی جاتی یعنی شیئ موقوف میں تأبید کا پایا جانا، اور اسی قیاس سے امام ابوحنیفہؒ نے مطلقاً منقولی اشیاء کے وقف کو ناجائز کہا ہے۔

صاحبینؒ ان منقولی اشیاء کے وقف پر متفق ہیں جو زمین کے تابع ہو اسی طرح آلاتِ حرب اور ہتھیار کے وقف پر بھی متفق ہیں، اس لئے کہ ان اشیاء کے وقف کی صحت پر صریح نص موجود ہے۔ حضرت خالد ابن ولیدؓ نے اپنی زرہ اللہ کی راہ میں وقف کی تھی، اسی طرح حضرت طلحہؓ نے اپنے جنگی آلات اور ہتھیار کو اللہ کی

راہ میں وقف کیا۔ اور حضور ﷺ نے اسے روا رکھا اس کی تردید نہیں فرمائی۔ قاعدہ ہے کہ جب قیاس کے مقابلہ میں کوئی صریح نص ہو تو اس وقت قیاس پر عمل متروک ہوگا، نص پر علی الوجوب عمل کیا جائے گا۔

البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہتھیار اور گھوڑوں کے علاوہ کوئی منقولی اشیاء کا وقف بطور مستقل درست نہیں۔

جب کہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جن منقولی اشیاء کے وقف کا تعامل ورواج ہو ایسی تمام منقولی اشیاء کا وقف بھی درست ہے۔

امام محمدؒ کا قول اس باب میں مختار اور پسندیدہ ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: کہ صاحب مجتبی صاحبینؒ کا مسلک کچھ اس طور پر نقل فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً منقولی اشیاء کا وقف درست ہے، چاہے عرف ہو یا نہ ہو؛ البتہ امام ابو یوسفؒ کے عرف وتعامل والی منقول اشیاء کا وقف درست ہے، مگر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مشہور قول پہلا ہی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں تو ہتھیار اور گھوڑوں کے علاوہ کا وقف درست نہیں، جب کہ امام محمدؒ کے یہاں تعامل کو بنیاد سمجھا جائے گا۔

وفی الدر: و كما صح أيضا وقف كل منقول قصدا فيه تعامل للناس كفأس و قدوم ودراهم و دنانير وقدر و جنازة ..الخ

وفی الرد: قوله كل منقول قصداً .. أما تبعا للعقار فهو جائز بلا خلاف عندهما كما مر لا خلاف فی صحة وقف السلاح و الكراع أی الخيل للآثار المشهورة و الخلاف فيما سوى ذلك فعند أبی

يـوسف لا يـجـوز وعـنـد مـحـمد يجوز ما فيه تعامل من المنقولات واختـاره أكثـر فـقـهاء الأمصار كما فى الهداية وهو الصحيح كما فى الإسـعـاف، وهو قول أكثر المشائخ كما فى الظهيرية لأن القياس قد يترك بالتعامل ونقل فى المجتبى عن السير جواز وقف المنقول مطلقاً عـند محمد و إذا جرى فيه التعامل عند أبى يوسف و تمامه فى البحر والمشهور الأول، (شامى : ٦/٥٥٥، هنديه :٤٢٤/٢ ط: تراث)

علامہ شامیؒ نے اس موقع پر دراہم ودنانیر کے وقف کو صحیح قرار دیتے ہوئے آگے اس امر کے متعلق بحث فرمائی ہے کہ دراہم ودنانیر کے وقف کا جواز کس بنیاد پر ہے؟ کیا یہ جواز اس بنیاد پر ہے کہ یہ ان مسائل میں شامل ہے، جن میں امام زفرؒ کے قول پر فتوی ہے؟ یا امام محمدؒ کے قول کے مطابق عرف وتعامل کی بنیاد پر جائز صحیح الوقف ہونے والی منقول اشیاء میں شامل ہونے کی وجہ سے ہے؟ چنانچہ اس پر اعتراض اور جواب تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و بهـذا ظهر صحة ما ذكره المصنف من إلحاقها بالمنقول المتعارف عـلـى قـول مـحـمد المفتى به و إنما خصوها بالنقل عن زفر لأنها لم تكن متعارفة إذ ذاك ، ولأنه هو الذى قال بها ابتداءً (شامى : ٦/ ٥٥٦)

یعنی دراہم و دنانیر کا وقف امام محمدؒ کے اصول کے مطابق ہی جواز کے دائرے میں آتا ہے، یعنی اس لیے کہ اس کے وقف کا عرف و رواج ہے۔ رہی بات یہ کہ دراہم و دنانیر کے وقف کے جواز کا قول فقط امام زفرؒ کی طرف کیوں منسوب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عرف پہلے نہ تھا، اور امام زفرؒ کے زمانہ ہی

میں پایا گیا اور اس کے جواز کا حکم ابتداءً انہوں نے دیا تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ عرف وتعامل میں لوگ جن چیزوں کو بھی وقف کریں، ان کا وقف درست ہو جائے گا۔ چاہے وہ اشیاء بقاءِ عین کے ساتھ قابلِ انتفاع ہوں یا ان کا عین فنا ہو جاتا ہو۔

وفی الدر: خلاصة، و فیھا وقف بقرة علی أنما خرج من لبنھا أو سمنھا للفقراء إن اعتادوا ذلك رجوت أن یجوز..

وفی الرد: و ظاھر ما فی مسئلة البقرة اعتبار العرف الحادث فلا یلزم کونه من عھد الصحابة و کذا ھو ظاھر ما قدمنا آنفاً من زیادة بعض المشائخ أشیاء جری التعامل فیھا، و علی ھذا فالظاھر اعتبار العرف فی الموضع أو زمان الذی اشتھر فیه دون غیره، فوقف الدراھم متعارف فی بلاد الروم دون بلادنا، و وقف الفأس والقدوم کان متعارفاً فی زمن المتقدمین و لم نسمع به فی زماننا، فالظاھر أنه لا یصح الآن و لئن وجد نادراً لایعتبر لما علمت من أن التعامل ھو الأکثراستعمالاً فتأمل. (شامی: ٦/٥٥٦-٥٥٧)

الحاصل منقولی اشیاء کے وقف میں، واقف کا زمانہ، مُلک یا علاقہ کا عرف معتبر ہوگا۔ اسی بناء پر اگر دنانیز ودراہیم، یا مکیلی یا موزونی اشیاء یا اسی طرح گائے کا وقف اس مقصد سے کیا جائے کہ جو بھی دودھ یا گھی اس سے نکلے وہ فقراء پر وقف، اور ان ساری اشیاء کا وقف عرف میں رائج ہو تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق ان اشیاء کا وقف کرنا درست ہوگا،

منقول موقوف اشیاء کے استعمال کا طریقہ

درہم و دنانیز کو مضاربت پر یا تجارت میں لگایا جائے گا جس کا نفع واقف کے متعین کردہ موقوف علیہم میں خرچ کیا جائے گا، یا ان دراہم و دنانیر سے اگر ممکن ہو تو زمین خرید لی جاوے اور اسے وقف کر دیا جائے، اگر وقف میں کوئی مکیلی یا موزونی شیء ہو تو اسے بیچ کر وہی کیا جائے جو دنانیز و دراہم میں بیان کیا گیا۔ مکیلی اشیاء اس فقیر کسان کو بھی دی جاسکتی ہے جس کے پاس اگانے (کھیتی) کے لئے بیج نہیں تاکہ وہ اس سے کھیتی کرے پھر کٹائی کے بعد اس کا مثل لوٹا دے اور پھر اسی طریقہ سے دوسروں کے لئے یہ چیزیں خرچ کی جائیں۔ (شامی: ۶/۵۵۶)

اسی طرح عرف میں دراہم و دنانیز کا وقف اس غرض سے کیا جاتا ہو کہ اس کو ضرورت مندوں کے لئے بطور قرض حسن کے مہیا کیا جائے، پھر مدت متعینہ کے بعد جب پہلا شخص لوٹا دے تو دوسرے کو دئے جائے پھر تیسرے کو؛ اس طرح ان دنانیز کو استعمال کیا جائے تو یہ طریقہ بھی جائز ہے، ویسے ہی سردی کے کپڑے سردی کے موسم میں فقراء کو دئے جائے، پھر جب یہ موسم ختم ہو جائے تو وہ حضرات وقف کے ذمہ دار کو واپس کر دے۔

اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک عرف کی بناء پر قرآن شریف اور کتابیں مساجد، مدارس اور طلبہ کے لئے وقف کی جاسکتی ہیں، پس جب قرآن شریف تلاوت کی غرض سے کسی معتین مسجد میں وقف کیا گیا تو پھر چاہے وہ امیر ہو یا

غریب سب کے لئے اس کا استعمال درست ہے؛ البتہ اس کو مسجد سے باہر لے جانا درست نہیں، ہاں، اگر کوئی مجبوری پیش آجاوے، (العیاذ باللہ) جیسے مسجد ویران ہو جاوے، لوگ کہیں اور بس گئے ہوتو اس کو قریبی مسجد میں منتقل کرنے کی گنجائش ہے، یہی حکم کسی معین مدرسہ کے لئے دی ہوئی وقف کی کتابوں کے لئے بھی ہے، اسی طرح کسی خاص جگہ میں واقف نے کتابیں طلبہ کے لئے وقف کی تو ہر امیر و غریب طالب علم کے لئے حصول علم کی غرض سے اس کا استعمال درست ہوگا اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر مالدار کے پاس ہر کتاب ہو، خاص طور پر اس وقت جب کہ ضرورت پیش آوے۔

قال فی الفتح : أن بعض المشايخ زادوا أشياء من المنقول على ما ذكره محمد لما رأوا جريان التعامل فيها، وذكر منها مسئلة البقرة الاتية و مسئلة الدراهم والمكيل حيث قال : ففی الخلاصة : وقف بقرة على ان ما يخرج من لبنها وسمنها يعطى لأبناء السبيل ، قال : إن كان ذلك فی موضع غلب ذلك فی أوقافهم رجوت أن يكون جائزا وعن الانصاری و كان من أصحاب زفر فيمن وقف الدراهم أو ما يكال أو ما يوزن يجوز ذلك قال : نعم، قيل و كيف ؟ قال يدفع الدراهم مضاربة، ثم يتصدق بها فی الوجه الذی وقف عليه، و ما يكال أو يوزن يباع ويدفع ثمنه لمضاربة أو بضاعة، قال فعلى هذا القياس إذا وقف كرا من الحنطة على شرط أن يقرض للفقراء الذی لا بذر لهم ليزرعوه لأنفسهم، ثم يؤخذ منهم بعد الإدراك قدر القرض،

ثـم يـقـرض لـغيـرهـم من الفقراء أبدا على هذا السبيل يجب أن يكو ن جائزا (شامی : ٦/٥٥٥)

ہدایہ میں ہے کہ: وعـن مـحـمـد أنـه يـجـوز وقف مافيه تعامل من الـمـنقولات كالفاس والمر والقدوم والمنشار و الجائزة وثيابها والقدور الـمـراجـل والـمـصاحف وعند أبي يوسف لايجوز لأن القياس انما يترك بـالـنـص و الـنـص ورد فـی الكراع والسلاح فيقتصر عليه ومحمد يقول الـقـيـاس يتـرك بـالتـعـامل كما فی الاستصناع وقد وجد التعامل فی هذه الاشيـاء و عـن نـصـر بن يحیٰ أنه وقف كتبه إلحاقا لها بالمصحف وهذا صـحـيـح لان كل واحد يمسك للدين تعليما وتعلما وقراءة واكثر فقهاء الامصار على قول محمد. (هدايه : ٢/ ٦١٨)

امام ابو یوسفؒ نے قیاس کو ترجیح دی ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تعامل اور قیاس کا تقابل ہوتو اس وقت تعامل قابل عمل ہوگا، قیاس متروک ہوگا۔

علامہ شامیؒ مصنف کے قول کـل منقول فيه تعامل للناس **کے تحت لکھتے ہیں کہ مصنف نے اپنی دوسری تصنیف میں لکھا ہے کہ ان منقولی اشیاء کا وقف بھی درست ہوگا، جس کا ماضی میں تعامل نہ ہونے کی وجہ سے وقف تام نہ سمجھا جاتا ہو، لیکن جس زمانہ میں واقف اس منقولی شیٔ کو وقف کر رہا ہو اور اس کا تعامل اس زمانہ میں ہوتو یہ بھی مفتی بہ قول کے تحت داخل ہوجائے گا۔ لہذا اس کا وقف کرنا بلا شبہ درست ہوگا۔**

وصح أيضا وقف كل منقول فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل دراهم ودنانير قال الشامي تحت هذا القول : قال المصنف فى المنح : ولما جرى التعامل فى زماننا فى البلاد الرومية وغير ها فى وقف الدراهم والدنانيز دخلت تحت قول محمد المفتى به فى وقف كل منقول فيه تعامل كما لا يخفى ،

عمارت یا درخت زمین کے بغیر وقف کرنا :

حنفیہ کے یہاں اصل یہ ہے کہ زمین کے بغیر صرف عمارت کو وقف کرنا جائز نہیں ہے ،خواہ زمین شخصی ملکیت کی ہو یا وہ وقف ہو۔کیوں کہ فقط بناء کا شمار منقولات میں ہوتا ہے اور منقولات کا وقف درست نہیں۔

البتہ امام محمدؒ کے قول کے مطابق جن منقولات میں عرف ہو ان کا وقف درست ہے، اس کے مطابق کیا عمارت کے وقف کا عرف ہو تو اس کا وقف جائز ہوگا یا نہ ہوگا ؟ اس موضوع سے بھی علامہ شامیؒ نے تفصیلی بحث فرمائی ہے۔نیز اس موضوع پر شیخ علامہ قاسم اور ان کے شاگرد ابن الشحنہ کا مناظرہ بھی نقل فرمایا ہے۔

خلاصہ اس تفصیل کا یہ ہے کہ

(۱) زمین کسی کی مملوک ہو موقوف نہ ہو، تو اس میں بنی ہوئی عمارت اگائے ہوئے درخت وقف کرنا درست نہیں۔

(۲) اگر زمین وقف ہو اور اس پر کسی نے مثلا اس زمین کے کرایہ دار نے عمارت یا درخت لگا کر اسی جہتِ وقف پر وقف کیا، جس جہت پر زمین وقف ہے تو

یہ وقف درست ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں متولی یا اس زمین سے استفادہ کرنے والے حضرات عمارت یا درخت کو باقی رکھیں گے۔ اسی طرح اگر زمین کرایہ داری یا زراعت کے لیے ہی وقف ہو اور اسی میں مفید عمارت یا درخت لگائے گئے ہیں تو یہ درخت اور بناء باقی رہیں گے اس لیے منقولات سے خارج سمجھ کر ان کا وقف درست ہوگا۔

(۳) اور اگر زمین کے وقف کی جہت اور اس پر بعد میں بنائی گئی عمارت یا درخت کے وقف کی جہت علیحدہ ہو تو ایسے درخت یا عمارت کے وقف میں اختلاف ہے۔ اور صاحب درمختار نے جواز کے قول کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن علامہ شامیؒ اس پر فرماتے ہیں کہ یہ بھی فقط اسی صورت میں درست ہوگا جب کہ زمین کے وقف کا مقصد کرایہ داری ہی ہو۔

(۴) زمین کا وقف بطور احتکار (یعنی دواماً عمارت بنا کر کرایہ داری، کھیتی کرنے یا باغ لگانے کے لیے) ہو، اور اس پر کوئی عمارت بطور مسجد بنا لی جائے تو عمارت کا وقف بطور مسجد بھی درست ہوگا۔ اس صورت میں عمارت اور زمین کے وقف کی جہات جداگانہ ہیں، مگر چوں کہ وقف کی زمین کے کرایہ دار نے مدتِ کرایہ میں مسجد بنا کر وقف کی ہے اس لیے مدتِ اجارہ تک تو اس کا کرایہ مستاجر پر ہوگا، اور اس کے بعد اس کا وقف زمین کا کرایہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔ عمارت اور زمین کے وقف کی جہت جداگانہ ہو، اس کی یہی ایک صورت جواز کی ہے۔

قلتُ : لا يخفى عليك أن المفتى به الذى عليه المتون جواز وقف المنقول المتعارف ، و حيث صار وقف البناء متعارفاً كان جوازه موافقا للمنقول ولم يخالف نصوص المذهب على عدم جوازه لأنها مبنية على أنه لم يكن متعارفا كما دل كلام الذخيرة المار، و يأتى قريباً نص الخصاف على جوازه إذا كان البناء على أرض محتكرة، هذا والذى حرره فى البحر أخذا من قول الظهيرية و أما إذا وقفه على الجهة التى كانت البقعة وقفاً عليها جاز اتفاقا تبعا للبقعة ، أن قول الذخيرة لم يجز هو الصحيح مقصور على ما عدا صورة الاتفاق وهو ما إذا كان الأرض ملكاً أو وقفا على جهة أخرى، قال : و قصره الطرسوسى على الملك و هو غير ظاهر. اه

سئل قارئ الهداية عن وقف البناء و الغراس بلا أرض ؟ فأجاب : الفتوى على صحته ذلك ، ورحجه شارح الوهبانيه وأقره المصنف معللا بأنه منقول فيه تعامل فيتعين به الإفتاء وإن موقوفة على ما عين البناء له جاز تبعا إجماعا وإن الارض لجهة أخرى مختلف فيه والصحيح الصحة كما فى المنظومة المحبية وسئل ابن نجيم عن وقف الأشجار بلا أرض ؟ فأجاب : يصع لو الأرض المحتكرة هل يجوز بيعه ووقفه، وهل يجوز وقف العين المرهونة أو المستأجرة ؟ فاجاب : نعم.

قال ابن عابدين تحت قول المصنف (والصحيح الصحة) اى

إذا كانت الأرض محتكرة كما علمت، وعن هذا قال فى أنفع الوسائل: أنه لو بنى فى الأرض الموقوفة المستأجرة مسجدا أنه يجوز قال وإذا جاز فعلى من يكون حكره ؟ والظاهر أنه يكون على المستأجر ما دامت المدة باقية ، فإذا انقضت ينبغى أن يكون من بيت مال الخراج و أخواته و مصالح المسلمين. (شامى:٦/ ٥٩١)

اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ عمارت اور درخت کا مستقلاً وقف ، جب کہ زمین کسی کی مملوک ہو یا دوسری جہت میں وقف ہونے کی وجہ سے زمین کا واقف یا متولی اس عمارت یا درخت کو باقی رکھنے کا پابند بھی نہ ہوتو امام محمدؒ کے قول کے مطابق بھی منقولات کے جواز کے دائرے میں شامل نہیں۔ کیوں کہ ایسی عمارت یا درخت کو زمین کا مالک یا واقف اکھاڑ کر ضائع کر دے گا اور واقف کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ جب کہ دیگر منقولات جن کے وقف کا عرف میں رواج ہو، وہ واقف کی منشاء کے مطابق جہتِ وقف میں استعمال ہوں گی ،اور عمارت یا درخت میں یہ ممکن نہ ہوگا ،اس لیے وقف بھی درست نہ ہوگا۔اور غارس یا بانی کو کہا جائے گا کہ درخت اور عمارت کو اکھاڑ لے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

چنانچہ اگر وقف کی زمین پر عمارت بنائی یا درخت لگائے اور اسی جہت پر وقف کیے جس پر زمین وقف ہے،تو چوں کہ واقف یا متولی ایسی عمارات اور اشجار کو مفید سمجھ کر باقی رکھیں گے،اس لیے ان کا وقف درست ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جن صورتوں میں بھی عمارت یا درخت کے وقف کو صحیح کہا گیا وہ زمین کے تابع سمجھ کر ہی درست کہا گیا ہے، بہ حیثیت منقول، امام محمدؒ کے جواز کے قول کی بنیاد پر نہیں۔

موقوفہ زمین میں عمارت اور درخت کا حکم

ماقبل میں یہ تفصیل ذکر ہوئی کہ زمین کے بغیر عمارت و درخت کو وقف کرنا درست ہے یا نہیں؛ یہاں اس عنوان کے تحت یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص عمارت یا درخت موقوفہ زمین میں لگاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جاننا چاہیئے کہ عمارت یا درخت لگانے والا تین حال سے خالی نہیں:

(۱) واقف ہی غارس یا بانی ہو۔

(۲) یا متولی وقف ہو۔

(۳) یا تو کوئی تیسرا شخص یعنی فضولی ہو۔

تینوں کے احکام مختلف ہیں جس کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) پہلی صورت یعنی عمارت بنانے والا شخص خود واقف ہو؛ اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: (الف) واقف نے عمارت یا درخت وقف کے مال سے لگائے ہوں گے۔ (ب) یا واقف نے اپنے ذاتی مال سے لگائے ہوں گے، اور یہ صراحت کر دی ہو کہ یہ بھی زمین کے ساتھ ساتھ وقف ہوں گے؛ ان دونوں صورتوں میں تو اس کو وقف شمار کیا جائے گا۔ (ج) اور اگر ذاتی مال سے کی گئی تعمیر یا شجر کاری کے متعلق وقف ہونے کی تصریح نہ کی گئی ہو تو وہ سب واقف کی ہی ملکیت میں باقی رہے گا۔

یہ عام موقوفہ زمین کی تفصیل تھی، البتہ اگر درخت یا عمارت مسجد کے لئے وقف کی ہوئی زمین میں لگائے گئے ہو تو اس میں واقف کی صراحت کی ضرورت

نہیں، کیوں کہ مسجد میں کوئی چیز اس غرض سے لگانا درست نہیں کہ اس میں کسی معیّن شخص کی ملکیت ہو، لہٰذا اگر درخت لگایا گیا تو بہر حال مسجد کے لئے ہی ہوگا۔ اگر یہ درخت ایسے پھل کا ہے جس کو کھایا جاتا ہے جیسے کہ سیب وغیرہ تو مصلین کے لئے اس کا کھانا درست نہیں۔ ہاں! جب واقف کی غرض معلوم ہو کہ یہ درخت مسافروں کے لئے لگایا گیا ہے یا ان لوگوں کے لئے جو نماز پڑھنے آتے ہیں تو اس درخت سے ان لوگوں کا انتفاع درست ہوگا؛ البتہ اگر واقف نے مسجد کے لئے وقف کیا ہو یا واقف کی غرض معلوم ہی نہ ہو تو متولی وقف کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان درختوں کے پھلوں کو فروخت کرے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم مسجد کے مصالح اور ضروریات میں خرچ کرے۔

وفی المحیط : رجل غرس فی المسجد یکون للمسجد لأنه بمنزلة البناء بالمسجد و کذا لو بنی فی أرض الوقف أو نصب فیها بابًا فإن نوی عند البناء أنه بنی للوقف یصیر و قفا لأنه جعله وقفا و وقف البناء تبعا لغیره یجوز وإن لم ینو ذلك لایصیر وقفا لأنه لم یجعله وقفا.

وفی الحاوی : وما غرس فی المساجد من الأشجار المثمرة إن غرس للسبیل وهو الوقف علی العامة کان لکل من دخل المسجد من المسلمین أن یاکل منها وإن غرس للمسجد لایجوز صرفها إلا فی مصالح المسجد الأهم فالأهم کسائر الوقوف و کذا إن لم یعلم غرض الغارس (البحر الرائق:۳٤۱/۵)

(۲) درخت لگانے والا متولی ہو: جب درخت یا عمارت متولی وقف نے لگائے ہو تو ہر حال میں یہ وقف ہی ہوں گے، چاہے وقف کے مال سے لگائے ہو یا اپنے ذاتی مال سے۔ بہرصورت یہ وقف کے لئے ہی ہوگا، البتہ ایک صورت مستثنی ہے کہ جب متولی وقف نے موقوفہ زمین میں اپنے ذاتی مال سے عمارت بنائی اور اس پر گواہ بھی قائم کردئے کہ یہ عمارت میں اپنے ذاتی مال سے بنا رہا ہوں، تو یہ متولی کی ملکیت ہوگی اور اسے کہا جائے گا کہ تم اپنی عمارت ہٹالو، یا درخت اکھاڑ لو البتہ اس شرط کے ساتھ کہ درخت اکھاڑنے سے یا عمارت منہدم کرنے سے موقوفہ زمین کو نقصان نہ پہنچتا ہو، اور اگر اس سے نقصان پہنچتا ہے تو اسے اس فعل کی اجازت نہیں دی جائے گی، جیسا کہ عمارت و درخت سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جاتی، کیوں کہ متولی نے موقوفہ زمین میں اپنے ذاتی مال سے اپنے لئے درخت یا عمارت لگا کر تعدی کی ہے لہٰذا وہ خود اپنے مال کو ضائع کرنے والا شمار ہوگا اس کو انتظار کا حکم دیا جائے گا کہ جب عمارت یا درخت اکھڑ جاوے تو اس وقت اپنا سرمایہ وصول کرلے، نیز اس فعل سے (غرس و بناء) متولی کا فاسق ہونا بھی ثابت ہوا جس کی وجہ سے اس کو معزول بھی کیا جاسکتا ہے۔

ولو غرس في أرض موقوفة على الرباط ينظر: إن تولى الغارس تعاهد الارض الموقوفة فالأشجار للوقف لأن هذا من جملة التعاهد، قال المحشي تحت قول ' إن تولى الغارس تعاهد الأرض' أي بأن كان له ولاية عليها وعبارة الإسعاف أظهر وهي: فلو غرس رباطي شجرة في وقف الرباط وتعاهدها حتى كبرت ولم يذكر وقت الغرس

أنهـا لـلرباط قال الفقيه أبو جعفر : إن كان إليه و لاية الأرض الموقوفة فالشجرة وقف وإلا فهى له وله رفعها. (البحر الرائق : ٣٤١/٥)

قـال الـمـصـنف : المتولى بناء ه الخ قال الشامى : اعلم أن البناء فـى أرض الـوقف فيه تفصيل ، فإن كان البانى المتولى عليه: فإن كان لـمـال الوقف فهو وقف سواء بناه للوقف أو لنفسه أو أطلق ، وإن من ماله للوقف أو أطلق فهو وقف إلا إذا كان هو الواقف و أطلق فهو له، وإن بناه من ماله لنفسه وأشهد أنه له فهو له كما فى القنية والمجتبى.

قـال المصنف : مالم يشهد أنه لنفسه قبله الخ قال الشامى : أى قبـل البـنـاء، قـال الـخـصاف : أرى إخراجه من يده بما فعل ويضمن نقصان الأرض اه ومثله فى الخيانة، وهو صريح أيضا بأنه يكون خيانة منها يستحق بها العزل. (در المختار مع الدر المختار : ٦ /٦٨٩)

أقـول : لـكـن ذكـر المؤلف فى محل آخر مانصه ..... خاتمة الـمـحـقـقين الخير الرملى عن رجل بنى فى أرض الوقف بغير مسوغ شـرعـى فـمـا حكمه ؟ أجاب إن كان البانى هو المتولى فإن كان من مـال الـوقف فهـو وقف وإن كـان من ماله للوقف أو اطلق فهو وقف وإن لـفـنسـه فهـو له ويكون متعديا فى وضعه فيجب رفعه لو لم يضر فـإن أضر فهو المضيع لماله لأنه لايملك رفعه لما فيه من ضرر الوقف و لا الانتـفاع به لما فيه من التصرف معه بأرض الوقف فقد ضيع ماله وفى هذه الصورة يفسق المتولى ويستحق العزل لتعديه بهذا التصرف

وأفتى كثيرون بأنه يتملك للوقف بأقل القيمتين منزوعا وغير منزوع بمال الوقف فی صورة الضرر. (الفتاوى الحامدية: ۲۱۳/۱)

خلاصہ جب متولی نے موقوفہ زمین میں عمارت یا درخت لگائے ہوتو وہ دو حال سے خالی نہیں (۱) وقف کے مال سے عمارت بنائی ہو، چاہے اپنے لئے بنائی ہو یا موقوف علیہم کے لئے بنائی ہو یا بغیر کسی ارادہ کے یوں ہی بنائی ہوتو ان تینوں صورتوں میں عمارت وقف ہی ہوگی۔

(۲) متولی وقف نے اپنے پیسوں سے اپنے لئے زمین میں عمارت بنائی اوراس پر گواہ قائم کئے تو عمارت اس کی ہوگی۔اوراس کا تفصیلی حکم درج ذیل ہے:

(الف) سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ متولی نے ذاتی پیسہ سے اپنے لیے عمارت بنائے جانے پر گواہ بنائے ہو، تا کہ اس کی ملکیت ثابت مانی جاسکے۔ (ب) چونکہ یہ عمارت وقف شدہ زمین پر قائم ہے جس کی وجہ سے اسے اس سے انتفاع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ (جیم) بلکہ متولی کے لئے ضروری ہے کہ عمارت کو منہدم کردے جب کہ زمین کو نقصان نہ پہنچتا ہو (دال) اگر زمین کو ضرر ہونے کا اندیشہ ہوتو اسے اکھاڑنے کا حق حاصل نہیں ہوگا بلکہ انتظار کا حکم دیا جائے گا اور وہ خود ہی اپنے مال کو ضائع کرنے والا ہوگا، بعض کا کہنا ہے کہ اگر عمارت یا درخت اکھاڑنے سے زمین کو نقصان پہنچتا ہوتو نقصان کا ضمان بھی ایسے متعدی متولی سے وصول کیا جائے ، اور بہت سے حضرات کا فتوی یہ ہے کہ اس صورت میں وقف کی زمین کے تابع بنا کر اس عمارت و درخت کو وقف مان کر متولی کی ملکیت سے خارج

کر دیا جائے گا اور سالم عمارت و درخت کی قیمت یا اکھڑی ہوئی عمارت و درخت کی قیمت میں سے جو کم ہو، وہ متولی کو بطور عوض وقف کے مال میں سے دے دیا جائے گا۔

(۳) واقف اور متولی کے علاوہ کسی غیر یعنی فضولی کا موقوفہ زمین میں عمارت یا درخت لگانا:

متولی یا واقف کے علاوہ کسی نے وقف شدہ زمین میں عمارت یا درخت لگائے ہوں تو اس کی مختلف صورتیں اور حکم درج ذیل ہے۔

۱۔ جب مالِ وقف سے عمارت بنائی ہو، چاہے اپنی ذات کے لئے ہو یا وقف ہی کی نیت سے یا مطلقاً ہو؛ تو یہ وقف کی شمار ہوگی۔

۲۔ اپنے ذاتی مال سے وقف کے لئے عمارت تعمیر کی ہو یا درخت لگائے ہو، تو وقف کی شمار ہوگی۔

۳۔ عمارت تو اپنے ذاتی مال سے تعمیر کی، لیکن متولی کی اجازت سے؛ تو بانی کے لئے درست ہے کہ وہ متولی سے قیمت کا مطالبہ کرے اس صورت میں بھی عمارت وقف کے لئے ہی ہوگی۔

۴۔ البتہ بانی یا غارس نے اپنے ذاتی مال سے خود کی ضرورت کے لئے عمارت لگائی ہو اور متولی کی اجازت کے بغیر ہو تو اس صورت میں عمارت کا مالک وہ خود ہوگا اور اسے عمارت توڑنے کا اور درخت اکھاڑنے کا حکم دیا جائے گا، بشرطیکہ وقف زمین کو نقصان نہ پہنچتا ہو اور اگر اس سے زمین کو نقصان پہنچتا ہے مثلا

درخت کو جڑ سے اکھاڑنے میں مذکورہ زمین خراب اور کھنڈر ہو جاتی ہو، اسی طرح عمارت کو توڑنے سے زمین قابل کاشت نہ رہتی ہو اور کھنڈرات میں منتقل ہو جاتی ہو، تو اسے اختیار نہ ہوگا کہ تو وہ درخت کو اکھاڑے اور عمارت کو توڑے۔

حانوت موقوف على الفقراء وله قيم بنى رجل فى هذا الحانوت بناء بغير إذن القيم ليس له أن يرجع بذلك على القيم، فبعد ذلك ينظر إن كان أمكنه رفع ما بنى من غير أن يضر بالبناء القديم، فله رفعه، و إن لم يمكنه رفع ما بنى من غير أن يضر بالبناء القديم ، فليس له رفعه ولكن يتربص إلى أن يتخلص ماله من تحت البناء ثم يأخذها إن لم يرض هو بتملك القيم البناء للوقف بالقيمة، و إن اصطلح مع الوصى على أن يجعل البناء للوقف ببدل يجوز لكن ينظر إلى قيمته مبنيا وإلى قيمته منزوعا فأيهما كان أقل لا يجاوز ذلك ،كذا فى المحيط. (الهنديه: ٢-٤٦٤)

صاحب تنقیح لکھتے ہیں:

وإن كان البانى غير المتولى فإن بنى للوقف فهو وقف و إن لنفسه أو أطلق رفعه إن لم يضر بأرض الوقف فإن أضر فالحكم ماتقدم. (١:٢١٣)

تیسری صورت یہ تھی متولی کے علاوہ کسی تیسرے شخص نے موقوفہ زمین میں متولی کی اجازت سے عمارت بنائی ہو اور متولی نے وقف کے نفع کو مدنظر رکھتے ہوئے اجازت دی ہو، اس طور پر کہ زمین بنجر پڑی ہو آباد کرنے کے لئے دی ہو تو

وہ عمارت وقف ہوگی اور بانی متولی سے قیمت کا مطالبہ کرے گا۔

وإن لم يكن متوليا : فإن بنى بإذن المتولى ليرجع فهو وقف ، وإنما يحل للمتولى الإذن فيما يزيد الوقف به خيرا. (شامی: ٦/٦٧٨-٦٧٩)

الحاصل: متولی نے موقوفہ زمین میں عمارت یا درخت اپنے ذاتی مال سے اپنی ذات کے لئے لگائے ہوں تو اس میں اس کی ملکیت ثابت ہوگی۔ اور انہیں عمارت توڑنے اور درخت اکھاڑنے کا حکم دیا جائے گا، جب کہ زمین کونقصان نہ پہنچتا ہو؛ لیکن اگر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتو انتظار کا حکم ہوگا یا قیمتاً اس کی ملکیت وقف میں شامل کرلی جائے گی جیسا کہ اوپر گذرا۔

اور اگر متولی کی اجازت سے کسی اور نے درخت لگائے یا عمارت بنائی اور متولی کی اجازت بھی وقف کے مصالح کے موافق تھی، تو ایسی صورت میں ملکیت تو بانی وغارس کی ہوگی، البتہ غارس وبانی کو متولی سے اس کی قیمت وصول کرنے کا حق ہوگا۔

نیز اس صورت میں جب کہ تعمیر باذن المتولی ہو (اور تعمیر بغیر اذن المتولی ہونے کی صورت میں بھی) مالک وبانی اس زمین مع عمارت کرایہ پر دینے سے متولی کو منع نہیں کرسکتا، اس لئے کہ یہ فعل بغیر حق کے کیا گیا جس کی بناء پر ان کا اس شیئ پر قبضہ ثابت نہیں، البتہ عمارت پر بانی کی ملکیت کا تقاضا یہ ہے کہ نفع فیصد کے تناسب سے تقسیم کیا جائے۔ خالی زمین کا کرایہ اور عمارت یا درخت لگائے ہوئی زمین کے کرایے کا درمیانی تناسب دیکھا جائے گا۔ اصل کرایہ وقف کی زمین کا

ہوگا اور زائد حصہ صاحبِ عمارت کا ہوگا۔

مطلب فی حکم بناء المستاجیر فی الوقف بلا إذن

قوله : و ما بناه مستاجر أو غرسه فله أی إذا بناه من ماله بلا إذن الناظر ثم إذا لم يضر رفعه بالبناء القديم رفعه و إن ضر فهو المضيع ماله فليتربص إلى أن يتخلص من تحت البناء ثم يأخذ و لا يكون بنائه مانعا من صحة الإجارة من غيره إذ لا يد له عليه حيث لا يملك رفعه و لو اصطلحوا على أن يجعله للوقف بثمن لا يجاوز أقل القيمتين منزوعا فيه أو مبنيا صح ، جامع الفصولين . (شامی : ٦٧٨/٦)

موقوفہ جائداد کو فروخت کرنے کا حکم :

جو جائداد وقف کردی گئی وہ ہمیشہ کے لئے وقف ہوگئی، اب اس کو فروخت کرنا کسی کے لئے جائز نہیں اور اگر کسی نے بغیر عذر کے فروخت کردی تو بیع نافذ نہیں ہوگی اور جائداد حسبِ سابق وقف ہی رہے گی، ایسی بیع، بیع باطل ہے، یعنی منعقد ہی نہیں ہوگی۔

البتہ کچھ صورتیں ہیں جس میں کسی شرعی دلیل کی بنیاد پر وقف کو فروخت کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے۔

(۱) وقف کو فروخت کرنے کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ واقف نے زمین وغیرہ فروخت کرنے کی گنجائش رکھی ہو۔ واقف کی اس گنجائش یا اجازت کا مطلب 'استبدال' کی اجازت یا جواز ہے۔ بالکلیہ وقف کو ختم کرکے قیمت کا مالک بن جانا درست نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ جب زمین وقف کردی گئی تو نہ اس کا مالک بنا

جا سکتا ہے، نہ اس میں میراث جاری ہوگی وغیرہ، جس کا تذکرہ بالتفصیل استبدال وقف میں گذر چکا۔ لہٰذا اس صورت میں واقف کو فروخت کرنے کی اجازت تو حاصل ہوگی، لیکن حاصل شدہ قیمت سے دوسری جگہ زمین خریدنا اور سابق موقوف علیہم پر وقف کرنا ضروری ہوگا۔ کما تقدم

(۲) دوسری صورت وقف کو فروخت کرنے کی یہ ہے کہ وقفِ قابل انتفاع نہ رہے۔ اور بالکلیہ زمین کا نفع منقطع ہو جائے۔

(۳) موقوفہ زمین ایسے علاقہ میں واقع ہو جہاں مسلمان آباد نہ ہو اور غیروں کے غاصبانہ قبضہ کا اندیشہ ہو یا حکومت کے کم دام میں خرید لینے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں زمین فروخت کی جا سکتی ہے۔

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه : الأول : أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا. والثانی : أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار لا ينتفع به بالكلية . والثالث : وأن لايشرط أيضا ولكن فيه نفع فی الجملة وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار (رد المحتار: ٦ / ٥٨٤)

عبارت بالا میں مصنفؒ نے تیسری شکل ناجائز کی لکھی ہے کہ محض نفع کی زیادتی کے لئے وقف کو بیچا نہیں جائے گا۔

عبارت بالا سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عذر کی بناء پر وقف کو بیچا تو جا سکتا ہے، لیکن وقف کو ختم نہیں کیا جا سکتا، اس کی رقم کو دوسرے مصارف میں صرف

نہیں کیا جائے گا، بلکہ دوسری زمین خرید کر وقف کی جائے گی۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے استبدال کا لفظ استعمال کیا ہے، جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ فروخت شدہ وقف کی آمدنی کو بالضرور وقف ہی کیا جائے گا۔ اس لئے کہ وقف کو فروخت کر کے بالکلیہ ختم کرنے میں واقف کی غرض کی مخالفت لازم آتی ہے جو جائز نہیں ہے، جس کو علامہ شامی نے یوں بیان کیا ہے کہ

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة(شامی: ٦٦٥/٦)

مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا فى محلة واحدة. (شامی : ٦/ ٥٨٦)

علامہ شامی نے استبدال کے جواز کی دوسری صورت میں تحریر فرمایا ہے کہ موقوفہ زمین جب بالکلیہ قابل نفع نہ رہے تو قاضی کی اجازت سے اسے بیچنا جائز ہوگا۔ اسی طریقہ سے جب قاضی دیگر مصلحت کی وجہ سے بیچنا صحیح سمجھے، یعنی زمین ایسی جگہ واقع ہو جہاں دشمنوں کا غلبہ ہو اور اندیشہ ہو کہ اس کو بیچا نہ گیا تو وقف ضائع ہو جائے گا اور واقف کی غرض کو پورا کرنا ممکن نہیں رہے گا ایسی صورت میں اگر واقعۃً مصلحت یہی ہو تو وقف کے فروخت کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

والثانى : أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيئ أصلا أو لا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز أصلا على الاصح إذا كان بإذن القاضى ورآه المصلحة فيه. (شامی: ٥٨٤/٦)

و الحاصل أن الاستبدال أما عن شرط الاستبدال أولا عن شرطه

فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا لذلك بل أتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة، ولأنه لا موجب لتجويزه ، لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة، ولا ضرورة في هذا اذ لاتجب الزيادة بل نبقيه كما كان اهـ (رد المختار :٦ /٥٨٩)

ذکر کردہ تفصیل امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کے مطابق ہوئی ، چوں کہ صاحبین کے نزدیک وقف لازم ہے یعنی شیئ موقوفہ کو نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی جیسا کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنے حصۂ خیبر کو صدقہ کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ’اس کی اصل کو صدقہ کر دو تا کہ وہ آئندہ کبھی نہ بیچی جا سکے اور نہ میراث بنے گی اور نہ ہبہ ہو سکے گی۔‘

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ وقف لازم نہیں یعنی وقف کرنے سے واقف کی اس کے مال موقوف پر سے حق ملکیت ختم نہیں ہوتی (الا یہ کہ حاکم اس کے ختم ہونے کا فیصلہ کر دے یا خود واقف اپنی موت پر معلق کر دے)، لہٰذا ان کے نزدیک شیئ موقوف کو بیچا جا سکتا ہے۔

بہر حال جب ایک زمین وقف ہوگئی تو اس کی ملکیت کسی بندہ کے حق میں باقی نہیں، اور جب ملکیت ہی نہیں تو بیع کا محل شیئ موقوف نہیں بن سکتی لہٰذا یہ بیع بیع باطل ہوگی۔ علامہ شامیؒ بیع باطل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: كل ما أورث خللا في ركن البيع فهو مبطل (شامی: ۷/۳۳۴)

بیع کے لیے ضروری ہے کہ مبیع بائع کی ملکیت میں ہو، یا بائع مالک کا نائب ہو، لیکن وقف میں ایجاب یا قبول کرنے والا متولی یا واقف نہ تو موقوف کا مالک ہے نہ مالک کا وکیل ۔ کیوں کہ وقف کی معتبر تعریف کے اعتبار سے شیئ وقف، واقف کی ملکیت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے اللہ کی ملکیت میں ہوگئی ہے، لہٰذا بندوں میں سے اس کی ملکیت کا کوئی حقدار نہ ہوگا۔ پس جب بیع کا محل ہی باقی نہیں تو کس بنیاد پر متولی وقف کو اس کی اجازت ہوگی کی وہ شیئ موقوف کو بیچے؟ اسی طرح متولی اس شیئ موقوف میں وکیل بھی نہیں، کیوں کہ متولی کو وقف پر ولایت نظری ہے اور ایسا تصرف نظر و مصلحت سے خارج ہونے کی وجہ سے متولی کے اختیار سے باہر ہے، لہٰذا وہ ایسے تصرفات کا وکیل بھی نہیں۔ اور بیع منعقد نہیں ہوگی، تو اس کا حکم (انتقال ملک) بھی مرتب نہ ہوگا۔

اس قاعدہ سے وہ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں، جن کا ذکر سابق میں گذرا، یعنی (۱) جب واقف نے وقف کے وقت اپنے یا متولی کے حق میں استبدال کی شرط یا گنجائش رکھی ہو (۲) یا موقوف کے منافع بالکلیہ منقطع ہو جائیں۔ ان دونوں صورتوں میں واقف کی شرط یا مصالح وقف کی بنیاد پر شریعت نے اجازت دی ہے۔ جب کہ عام احوال میں شریعت کی جانب سے کوئی اجازت نہیں بلکہ بیع و استبدال ممنوع قرار دیا ہے۔

ہندوستانی مسلم پرسنل لا

وقف ایکٹ 1995 مع ترمیم 2013 کی دفعہ 104 الف اس طرح ہے:

وقف جائیداد کی بیع ہبہ، تبادلہ، رہن یا منتقلی کی ممانعت: [1] اس ایکٹ یا فی الوقت نافذ کسی دیگر قانون یا کسی وثیقۂ وقف میں کسی بات کے ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص کسی بھی ایسی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کو جو وقف جائیداد ہے کسی دیگر شخص کو نہ تو بیچے گا نہ اس کا ہبہ کرے گا، نہ تبادلہ کریگا، نہ رہن رکھے گا اور نہ ہی اس کی منتقلی کرے گا۔

دفعہ [1] میں محولہ بیع، ہبہ، تبادلہ، رہن، یا منتقلی ابتداء سے ہی باطل ہوگی۔ (وقف قوانین: ۸۷)

موقوف کی باطل بیع کی صورتیں اور ان کے احکام

چوں کہ موقوف محلِ عقد نہیں اور ایسی بیع باطل ہے، اس لیے اگر موقوف کی بیع وشراء کا ایجاب وقبول ہو جائے تب بھی اس کا کوئی حکم مرتب نہ ہوگا۔ اور ایسی باطل بیع کے بعد جو صورتیں ممکنہ بن سکتی ہیں، ان کی تفصیل اور حکم ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) بیع ہونے کے باوجود مشتری مبیع کا مالک نہیں بن سکتا، اس لیے عقد میں بائع کی حیثیت سے جس نے ایجاب وقبول کیا ہو مشتری اس سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ کرے گا۔

(۲) مشتری کو یہ حق بھی نہ ہوگا کہ وہ ثمن کی واپسی تک مالِ وقف کو اپنے قبضہ میں روکے رکھے۔

(۳) اگر معاملہ زمین پر ہوا ہو تو جتنی مدت وقف کی زمین مشتری نے اپنے

قبضہ میں رکھی اس کی اجرتِ مثل اس پر واجب ہوگی۔ یہ منافع غصب ہے، اور متاخرین کے یہاں منافع وقف کے غصب میں ضمان واجب ہوتا ہے۔

(۴) اگر اس معاملہ کی بنیاد غرر پر ہو یعنی مشتری جانتا نہ ہو کہ یہ زمین (عقار) موقوف ہے اور بائع نے اپنی ملک بتلا کر مشتری کو بیچ کر سپرد کردی تو اس صورت میں اجرتِ مثل تو مشتری کے ذمہ واجب ہوگی؛ البتہ اس کو بائع کے پاس سے وصول کرے گا، کیوں کہ اس کے دھوکہ کی وجہ سے یہ اجرت اس پر واجب ہوئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس صورت میں مشتری بائع سے زمین کی قیمت بھی وصول کرے گا اور اجرتِ مثل بھی۔

لو باع المتولی دار الوقف فسکنها المشتری ثم أبطل القاضی البیع کان علی المشتری أجرة المثل. (شامی : ٦/ ٦١٥)

ومن سکن دار الوقف غصبا أو بإذن المتولی بلا أجرة کان علیه أجرة مثله سواء کان معدا للاستغلال أو غیر معد له، حتی لو باع المتولی دارا للوقف فسکنها المشتری ثم رفع إلی قاضی هذا الأمر فأبطل البیع و ظهر الاستحقاق للوقف کان علی المشتری أجرة مثله. (فتح القدیر :٦/٢٢٣)

وإذا کان بیع الوقف بدون مسوغ باطلاً، فلا یملکه المشتری بحالٍ من الأحوال بل یسترد منه و یرجع بالثمن علی بائعه و لیس له حبس الوقف حتی یستوفی الثمن ، ثم إن کان عقارا طولب بأجر مثله فی المدة التی وضع فیها یده علیه سواء کان یعلم أنها وقف أم لا ، و

لا يـقبـل احـتـجـاجه بأنه انتفع بتأويل الملك لأن الوقف يعمل فيه بما هـو أنـفـع لـه و أخـذ أجرة المثل أنفع من تركها لكن إن كان مغرورا رجع بالأجرة على البائع أيضاً و إلا رجع بالثمن فقط . (كتاب الوقف : ١٠٤)

و كـذا يـفتـى بـكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه . (تنوير مع الدرج : ٦١٦/٦)

الـمادة : ٦٥٨ ، لو غر أحد آخر في ضمن عقد معاوضة يضمن ضـرره مثلاً لـو اشتـرى أحـد عـرصة و بـنـى عـليها ثم استحقت أخذ الـمشتـرى من البائع ثمن الأرض مع قيمة البناء حين التسليم . (شرح المجلة العدلية، ماده : ٦٥٨)

اصل مسئلہ یہ ہے کہ متولی جب وقف کو بغیر کسی شرعی وجہ کے فروخت کرتا ہے تو بہ حکمِ غصب سمجھا جاتا ہے، اور غصب کا حکم یہ ہے کہ مغصوب موجود ہو تو عین کی واپسی واجب ہوتی ہے، چنانچہ موقوف زمین بھی غاصب یعنی متولی اور اس کے مشتری کے قبضہ سے نکال لی جائے گی۔

البتہ یہاں ایک مسئلہ اور ہے، وہ یہ کہ غاصب پر منافع غصب کی اجرتِ مثل بھی واجب کی گئی ہے، حالاں کہ منافع کے غصب کا ضمان واجب نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم ہونے کی صورت میں مشتری نے یا علم نہ ہونے کی صورت میں متولی نے موقوف علیہم کا نفع غصب کیا ہے اور جتنی مدت مشتری کے قبضہ میں مال وقف رہا اتنی مدت موقوف علیہم اپنے نفع سے محروم رہے، جس کی بناء

پر ضروری ہوگا کہ اب اس کی بھرپائی کی جاوے، لہٰذا غاصب سے اجرت مثل کا مطالبہ کیا جائے گا؛ چونکہ مغصوب یعنی منافع کو لوٹانا تو ممکن نہیں ہے، لہٰذا جس صورت میں اصل کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو ضمان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور منافع کا ضمان 'اجرتِ مثل' ہے۔ منافع کا غصب اور ضمان گرچہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے، مگر وقف کا قاعدہ ہے کہ انفع للوقف قول پر عمل کیا جائے گا، اس لیے ضمان واجب کرنا ہی اولی ہوگا۔ نیز متاخرین نے صراحتاً منافعِ وقف کے غصب کے مضمون ہونے کا قول اختیار فرمایا ہے۔

باب غصب میں شیخینؒ اور امام محمد رحمہم اللہ کے درمیان میں اختلاف ہے، شیخین کے یہاں غصب کا تحقق صرف منقولی اشیاء میں ہوتا ہے، لیکن امام محمدؒ کے یہاں عقار میں بھی غصب کا تحقق ہوگا، چنانچہ وقف کے نفع کو مدنظر رکھتے ہوئے امام محمد کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

وکذا یفتی بکل ما ھو أنفع للوقف فیما اختلف العلماء فیہ.

(تنویر مع الدرج : ٦/٦١٦)

وفی الدر: یفتی بالضمان فی غصب عقار الوقف وغصب منافعہ أو إتلافھا کما لو سکن بلا إذن أو أسکنہ المتولی بلا أجر کان علی الساکن أجر المثل ...(در مع الشامی :٦/ ٦١٥)

و فی تقریرات الرافعی : قول الشارح کان علی الساکن أجر المثل ، الظاھر أن الساکن یکون بمنزلۃ غاصب الغاصب و المتولی بمنزلۃ الغاصب ، فیکون للقاضی تضمین أیھما شاء ، و إن کان

للمتولى تضمين الساكن بدون دخل القاضى ، (تقريرات فى آخر مجلد ٦ ، ص: ٩٠)

وكذا أفتوا بالضمان فى غصب عقاره ومنافعه مع أن العقار لايضمن بالغصب عند هما بل عند محمد و زفر والشافعى، وكذا فى مسائل كثيرة منها عدم استبدال ما قل ريعه وكذا صحة الوقف على النفس وعدم صحة الاجارة مدة طويلة كما مرّ. (شامى :٦/ ٦١٦)

وفى الدر : و بخلاف منافع الغصب استوفاها أو عطلها فإنها لا تضمن عندنا ... إلا فى ثلاث ... أن يكون وقفا .. أو مال يتيم ...أو معداً للاستغلال بأن بناه لذلك أو اشتراه لذلك ... (در مع الشامى: ٩ / ٢٩٩-٣٠١، غمز عيون البصائر ، كتاب الغصب)

اور اگر موقوفہ زمین غاصب نے بالکل ضائع کر دی ہو، اس طرح کہ اس زمین پر اس طرح پانی کا بہاو موڑ دیا کہ وہ زمین ندی یا سمندر کا حصہ بن گئی تو چوں کہ زمین کو اصلی حالت میں لوٹانا محال ہے، اس لیے اس صورت میں غاصب سے قیمت وصول کی جا سکتی ہے۔

قوله متى قضى بالقيمة أى بأن غصب أرضا وأجرى عليها الماء حتى صار بحرا لا تصلح للزراعة. (رد المحتار: ٦/ ٦١٦)

موقوف کی بیع باطل میں مشتری کے تصرفات کا حکم

مالِ وقف کو فروخت کرنے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) متولی نے زمین بیچی ہو تو یہ بیع باطل ہے، اور زمین واپس لی جائے گی۔

(۲) متولی نے موقوفہ عمارت کو فروخت کیا ہو، جسے بعد میں مشتری نے بالکلیہ منہدم کر دیا ہو۔

جب متولیٔ وقف نے موقوفہ عمارت فروخت کر دی اور مشتری نے قبضہ کر کے قائم شدہ عمارت کو منہدم کر دیا تو اس صورت میں قاضی کو اختیار ہوگا، چاہے تو بائع کو ضامن بنائے اور چاہے تو مشتری کو ضامن بنائے، عمارت وقف کو منہدم کرنے کی صورت میں قاضی کے فیصلے پر بیع کے نفاذ کا دارومدار ہے، اگر قاضی نے بائع کو ضامن بنایا تو اس صورت میں بیع نافذ ہوگی، اور جب بیع نافذ مانی جائے اور بائع پر ضمان واجب ہو گیا تو ضمان اور بیع کے تقاضہ کے مطابق ہدم شدہ عمارت کے ملبہ کا بائع مالک ہو جائے گا، اور اس کی بیع نافذ ہوگی اور مشتری بھی مالک ہوگا، لیکن اگر مشتری کو ضامن بنا دے تو متولی اور مشتری کی بیع باطل سمجھی جائے گی۔

پہلی صورت میں جس میں بائع کو ضامن بنایا گیا اس صورت میں بائع سے ضمان میں اس قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا جو قیمت اس نے مشتری سے وصول کی ہو، اور دوسری صورت میں جس میں مشتری کو قاضی نے ضامن بنایا اس صورت میں مشتری سے ناجائز تصرف کے ضمان کا مطالبہ ہوگا، اور مشتری ضمان ادا کر کے منہدم عمارت کا مالک ہوگا۔

مطلب إذا هدم المشترى أو المستأجر دار الوقف ضمن ، قلتُ و هذا إذا كان النقض ملك المشترى ......وفى البحر عن المحيط لو هدم المشترى البناء ان شاء القاضى ضمن البائع قيمة البناء فينفذ بيعه أو ضمن المشترى و لا ينفذ البيع ويملك المشترى البناء

بالضمان و يكون الضمان للوقف لا للموقوف عليهم اه، والمراد بالبناء نقضه و هذا إذا لم تمكن إعادته وإلا أمر كما سنذكره فى الغصب (رد المحتار:٦٦٧/٦)

(۳) یا متولی نے موقوفہ عمارت کوفروخت کر دیا ہو، جسے بعد میں مشتری نے تغیر کر کے نئی عمارت میں تبدیل کر دیا ہو یا خالی زمین کو عمارت یا درخت سے آباد کر دیا۔

مشتری کی تجدید اور مرمت کا حکم تو یہ ہے اس کا کوئی عوض اس کو دیا نہیں جائے گا اور اس کا انفاق تبرع سمجھ لیا جائے گا۔

اور مشتری کی نئی تعمیر اور زیادتی کی صورت میں دیکھا جائے گا کہ انفع للوقف کون سا پہلو ہے؟ اگر درخت اور عمارت اکھاڑنے کا حکم دینے میں وقف کی زمین کا نقصان ہو تو درخت اور عمارت کو وقف کی زمین کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا اور مشتری عامر کو اس کا ضمان دے دیا جائے گا اور اگر وقف کا منافع اس جدید تعمیر سے زمین کو خالی کروانے میں ہو تو زمین خالی کروالی جائے گی اور جو کچھ اس نے وقف کا نقصان کیا ہو اس کا ضمان لیا جائے گا۔

لو هدمه و بناه على غير صفته ففى الحامدية عن فتاوى المفتى أبى السعود : يلزم المشترى قلع ما بناه و قيمة ما قلع اه، قلتُ هذا إن لم يكن البناء الثانى أنفع للوقف ، ففى قارى الهداية سئل إذا استأجر شخص دارا وقفا ثم إنه هدمها و جعلها طاحونا أو فرنا أو غيره ما يلزمه ؟ أجاب : ينظر القاضى إن كان ما غيرها إليه أنفع لجهة الوقف

أخذ من الأجرة و بقى ما عمر لجهة الوقف و هو متبرع بما أنفقه فى العمارة و لا يجب له من الأجرة و إن لم يكن أنفع و لا أكثر ريعا ألزم بهدم ما صنع و إعادة الوقف إلى الصفة التى كان عليها بعد تعزيره بما يليق بحاله (شامى :٦/ ٦٦٧)

کن صورتوں میں متولی کو معزول کیا جائے گا؟

(۱) جب متولی سے مالِ وقف میں کوئی خیانت ظاہر ہوتو اس وقت قاضی ایسے متولی کومعزول کر کے کسی امانت دار شخص کومنصب تولیت سپرد کرے گا۔

قال فى البحر: إذا ظهر خيانته أى المتولى فإن القاضى يعزله وينصب أمينا. (البحر: ٣٩١/٥)

امام خصاف فرماتے ہیں: کہ محض شکایت اور الزام کی بنیاد پر کسی متولی کو معزول نہ کیا جائے، ہاں ایسی صورت میں اگر قاضی مناسب سمجھے تو دوسرے شخص کو بھی شریک تولیت کردے، پھر آگے امام خصاف اس شریک متولی کی اجرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں: کہ اگر گنجائش ہوتو پہلے متولی کی تنخواہ ہی میں سے ایک حصہ اس دوسرے متولی کو دیا جائے اور گنجائش نہ ہوتو اس دوسرے متولی کے لئے علاحیدہ نظم کیا جائے۔

قال فى آخر أوقاف الخصاف ما تقول إن طعن عليه فى الأمانة فرأى الحاكم أن يدخل معه آخرًا أويخرجه من يده ويصيره إلى غيره ؟ قال : أما إخراجه فليس ينبغى أن يكون إلا بخيانة ظاهرة مبينة وأما إذا أدخله معه رجلا فى القيام بذالك فالأجر له قائم، فإن رأى الحاكم

أن يـجعل للرجل الذى أدخله معه شيئًا من هذا المال، فلا بأس بذلك وإن كـان الـمـال الـذى سـمى له قليلا ضيّقا فرأى الحاكم أن يجعل لـلـرجـل الـذى أدخل معه رزقا من غلة الوقف فلا بأس بذلك وينبغى للحاكم أن يقتصد فيما يجزيه من ذلك .(البحر:۳۹۱/۵)

یعنی محض شکایت کی بنیاد پر متولیٔ اول پر ظلم نہ کرے، اس لئے کے جہاں اس بات کا امکان ہے کہ مخبر صادق ہو اور متولی واقعۃً مال وقف میں خیانت کا مرتکب ہو وہیں اس بات کا بھی امکان ہے کہ مخبر کاذب ہو، اس لئے بہتر یہی ہے کہ تحقیق کی جائے یا دوسرے شخص کو شریک کر دیا جائے۔

(۲) دوسری صورت کہ جس کی بنیاد پر متولی کو معزول کیا جائے وہ یہ ہے کہ متولیٔ وقف مال وقف کو فروخت کر دے، چاہے کچھ حصہ میں بیع کی ہو یا کل وقف کو ہی بیچ دیا ہو، بہر صورت متولی کو معزول کر دیا جائے گا، چونکہ اس صورت میں متولی کی خیانت بالکل ظاہر ہے، عدم عزل کی کوئی وجہ نہیں، اور جو عقدِ بیع متولی نے کیا وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، بلکہ وہ بیع باطل ہوگی، جس بناء پر مشتری کو اس مبیع یعنی وقف کو استعمال کا حق حاصل نہیں ہوگا؛ بلکہ موقوف علیہم کو لوٹانا ضروری ہوگا۔

(۳) تیسری صورت جس میں متولی کو معزول کیا جائے گا وہ یہ کہ متولی اپنے لئے زمین میں کاشت کرنے لگے۔

(۵) علامہ بیری فرماتے ہیں: کتب خانہ کا ذمہ دار لوگوں کو کتابیں عاریت پر دینا بند کر دے تو اسے معزول کر دیا جائے گا۔

(۶) متولی موقوفہ گھر میں خود سکونت اختیار کرے، چاہے اجرت مثل کی

ادائیگی کے ساتھ، تو قاضی اس کے اس فعل کے بناء پر معزول کر دے گا، لیکن صاحب بحر فرماتے ہیں کہ متولی کا خود اس گھر میں اجیر بن کے رہنا وقف کے لئے مناسب ہو، اس طور پر کہ متولی اس گھر کا کرایہ اجرت مثل سے زیادہ دیتا ہو، اور گھر کی اچھی دیکھ بھال کرتا ہو، جس سے اس گھر کے منافع دیر پا ہو جائے، دراں حالیکہ دوسرے کو کرایہ پر دینے میں یہ بات نہ ہو اور ضیاع کا خطرہ ہو، تو صاحب بحر فرماتے ہیں کہ متولی کا یہ فعل قابل عزل نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہ صورت مختلف فیہ ہے، الغرض انفع للوقف کا خیال رکھا جائے گا۔

(۷) ایسا متولی جس کو کم از کم پورے ایک سال تک جنون لاحق رہتا ہو تو ایسے شخص کو منصب تولیت سے معزول کر دیا جائے گا، لیکن یہ مرض ایک سال سے کم مدت تک رہتا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جنون کی وجہ سے معزول کیا ہوا متولی اگر واقف کا متعین کردہ ہو تو جب وہ اس دیوانگی سے صحت یاب ہو جائے تو اسے تولیت اس وقت سپرد کر دی جائے گی، لیکن اگر قاضی کا متعین کیا ہوا ہو تو اسے تولیت سپرد نہیں کی جائے گی۔

(۸) واقف موقوف علیہ کو ان کا حصہ پہنچانے پر قادر نہ ہو تو قاضی واقف کو منصب تولیت سے معزول کر کے دوسرے شخص کو سپرد کر دے گا۔

(۹) امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق قاضی اس متولی کو بھی معزول کر سکتا ہے جس کو واقف نے تولیت سپرد کی ہو، جب کہ واقف کی موت ہو جائے، لیکن اگر واقف نے مقرر کردہ متولی کو اپنی زندگی اور موت کے بعد کے لئے بھی وقف کا ذمہ دار بنا دیا ہو تو ایسی صورت میں معزول نہیں کیا جائے گا۔

(۱۰) متولی کا ہر وہ فعل جو مالکانہ تصرف پر دلالت کرے اور منصب تولیت کے لئے مناسب نہ ہو تو ایسا فعل متولی کو منصب تولیت سے معزول کردے گا۔

(۱۱) متولی قاضی کی موجودگی میں منصب تولیت سے خود معزول ہو جائے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی اور کو ذمہ دار بنادے۔

(۱۲) واقف اپنے متعین کئے ہوئے متولی کو مطلقاً معزول کرسکتا ہے۔

(۱۳) متولئ وقف وقف مال کی ٹھیک سے دیکھ بھال نہ کرے اور مال وقف کے ساتھ غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرے، معزول کردیا جائے گا۔

(۱۴) واقف کی موت ہو جائے تو واقف کا متعین کردہ متولی معزول ہو جائے گا، اس لیے کہ متولی کی حیثیت وکیل کی ہے، اور وکیل مؤکل کی موت سے معزول ہو جاتا ہے۔ البتہ واقف نے اپنی زندگی اور مابعد الموت دونوں کے لیے متولی مقرر کیا ہو تو معزول نہ ہوگا۔

وفی الجواهر القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضى وفى خزانة المفتين إذا زرع القيم لنفسه يخرجه القاضى من يده قال البيرى: يؤخذ من الأول أن الناظر إذا امتنع من إعارة الكتب الموقوفة كان للقاضى عزله ومن الثانى لو سكن الناظر دار الوقف ولو بأجر المثل له عزله، لأنه نص فى خزانة الأكمل: أنه لايجوز له السكنى ولو بأجر المثل اه (شامى: ۳۹۵/۵)

وفى الفتح أنه ينعزل بالجنون المطبق سنة لا أقل ولو برئ عاد إليه قال فى النهر: والظاهر أن هذا فى المشروط له النظر وأما

منصوب القاضی فلا، وفی البیری أیضا عن أوقاف الناصحی : الواقف علی قوم ولا یوصل الیهم ما شرط لهم ینزعه القاضی من یدیه ویولیه غیره اه، وینعزل المتولی من قبل الواقف بموت الواقف علی قول أبی یوسفؒ المفتی به لأنه وکیل عنه إلا إذا جعله قیما فی حیاته و بعد موته کما فی البحر(شامی : ۵۷۸/۶)

أنه إذا تصرف بما لایجوز کان خائنا یستحق العزل ولیقس مالم یقل.(بحر: ۳۹۲/۵)

وذکر فی البحر أیضا أن المتولی لو عزل نفسه عند القاضی ینصب غیره ولا ینعزل بعزل نفسه حتی یبلغ القاضی. (شامی : ۵۸۱/۶)

وفی القنیة : لو قال المتولی من جهة الواقف عزلتُ نفسی لا ینعزل إلا أن یقول له أو للقاضی فیخرجه (بحر : ۳۹۲/۵)

ناظرینِ وقف میں ترتیب:

اگر واقف اپنی اولاد میں سے وقف کی نگرانی سپرد کرنے 'ارشد' کی شرط لگائے اور ایک سے زائد لوگ صفت رشد میں برابر ہوتو نگرانی میں دونوں شریک رہیں گے۔

اگر واقف نے اپنی اولاد میں سے 'افضل' کو سپرد کرنے کی شرط لگائی ہو، اور دو آدمی صفت فضل میں برابر ہو جائے تو ان میں جو عمر میں بڑا ہوگا وہ نگرانی کا حقدار ہے۔

اور اگر ان میں ایک اورع ہو اور دوسرا وقف کے امور کو اچھی طرح جاننے والا ہو تو یہی زیادہ حقدار ہوگا، بشرطیکہ خیانت سے اطمینان ہو۔

ولو شرط النظر للأرشد فالأرشد من أولاده فاستويا اشتركا به أفتى به المنلا أبو السعود معللابأن أفعل التفضيل ينتظم الواحد والمتعدد وهو ظاهر. وفى النهر عن الإسعاف شرطه لأفضل أولادها فاستويا فلأسنهم، ولو أحدهما أورع والآخر أعلم بأمور الوقف فهو أولى إذا أمن خيانته انتهى جوهرة.وكذا لو شرط لأرشدهم كما فى نفع الوسائل .(در المختار مع رد المحتار :٦٨١/٦،٦٨٢)

ترتیب کے مطابق حقدار شخص تولیت سے انکار کردیے تو ؟

علامہ شامیؒ نے اسعاف کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اگر واقف یہ کہے الافضل فالافضل، پھر افضل اس کو قبول کرنے سے انکار کردے یا وہ مر گیا تو جو اس سے قریب ہو حسب ترتیب، اس کو یہ حق ملے گا۔

علامہ ہلال نے کہا کہ قیاس یہ ہے کہ اگر منکر زندہ ہے تو اس کی حیات تک قاضی اس کے بدلے کسی اور کو ذمہ دار بنادے۔ پھر اگر وہ مرجائے تو ولایت اس کو ملے گی جو فضل میں اس سے قریب ہو۔

اور اگر افضل کسی وجہ سے تولیت کے قابل نہ ہو تو قاضی اس کی جگہ دوسرا آدمی متعین کرے گا اور جب وہ (افضل) مرجائے تو ولایت اس کو ملے گی جو اس سے قریب ہو۔ اس درمیان اگر وہ افضل اہل ہو جائے تو ولایت اس کو سپرد کر دی

جائے گی۔

اوراسی طرح اگراولاد میں کوئی اہل نہ ہوتو قاضی کسی اجنبی شخص کوقائم مقام کرے گا جب تک کہ ان میں کوئی اہل پیدا ہوجائے۔

قال فی الشامية وفيه (البحر) عن الإسعاف ولو قال الأفضل فالأفضل فأبى الأفضل القبول أومات يكون لمن يليه على الترتيب ذكره الخصاف.

وقال هلال القياس أن يدخل القاضی بدله رجلا ما دام حيا فإن مات صارت الولاية لمن يليه فی الفضل ولو كان الأفضل غير موضع أقام رجلا مقامه وإذا مات تنتقل لمن يليه فيه وإذا صار أهلا بعده ترد الولاية إليه وكذا لو لم يكن فيهم أهل أقام القاضی أجنبيا إلى أن يصير فيهم أهل .

استحقاق تولیت کے درجات میں تبدیلی ہوجائے تو:

اگر باعتبار افضلیت استحقاق رکھنے والے کے مقابلہ میں اگرکوئی مفضول شخص افضل بن جائے تو ولایت اس کی طرف منتقل ہوجائے گی۔لہٰذا قاضی کے لیے ضروری ہے کہ واقف کی شرط کے مطابق تولیت کے لیے متعین کردہ جہت میں افضلیت کے اعتبار سے نظر ثانی کرتا رہے۔

ولو صار المفضول منهم أفضل ممن كان أفضلهم تنتقل الولايةُ إليه فينظر فی كل وقت إلى أفضلهم كالوقف على الأفقر فالأفقر ،اه ملخصا. (درالمختار مع رد المحتار : ٦٨٢/٦)

موقوف علیہم کے درمیان منافع کی تقسیم

موقوف علیہم پر وقف کی آمدنی کی تقسیم کرتے وقت ان کے درمیان برابری کرنے یا کمی زیادتی کرنے یا ایک کو دوسرے پر مقدم کرنے میں واقف کی شرط پر عمل کیا جائے گا، ظاہر ہے یہ صورت اس وقت محقق ہوسکتی ہے جب موقوف کی کوئی آمدنی ہو، یعنی یہ ان اوقاف کے متعلق ہے جن کی آمدنی ہو اور واقف نے طریقہ تصرف بھی متعین کردیا ہو۔

لیکن اگر موقوف ایسی شیئ کہ جس میں تمام موقوف علیہم کا انتفاع بیک وقت ممکن نہیں، مثلا رہائش کا گھر یا زراعت کے لئے واقف نے زمین وقف کی ہو اور موقوف علیہم اتنی بڑی تعداد میں ہو کہ اس سے تمام کا نفع اٹھانا ممکن نہیں، تو علامہ شامیؒ نے ابن الشلبی کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ اس صورت میں تناوب اور تھایؤ کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ یعنی باری باری تمام موقوف علیہم اس سے انتفاع حاصل کریں گے۔

اسی طرح ایک بڑی زمین ایک جماعت کے درمیان زمین وقف ہو اور وہ سب آپس میں اس پر راضی ہو جائے کہ ان میں سے ہر ایک موقوفہ زمین کے ایک معین حصہ سے منافع (کھیتی وغیرہ) حاصل کرے گا تو یہ درست ہے، مگر یہ لازم و دائم نہ سمجھا جائے گا، نہ تو متولی اس تقسیم کو لازم قرار دے اور نہ ہی موقوف علیہم اس تقسیم کو لازم قرار دے سکتے ہیں، بلکہ ضروری ہوگا کہ زمین کے مختلف حصے موقوف علیہم کے درمیان تبدیل ہوتے رہیں۔ اور جس متعینہ حصہ میں وہ اس سال کھیتی

کریں گے، پھر آئندہ سال دوسرا حصہ لے لیوے، یعنی آپس میں تبدیل کرتے رہیں۔ کیوں کہ یہ حقیقی تقسیم نہیں۔ حقیقی تقسیم یہ ہے کہ موقوف عین میں سے بعض کے ساتھ اسے ہمیشہ کے لئے اختصاص حاصل ہو جائے۔ کما قال الشامی: اذ القسمة الحقيقة أن يختص ببعض من العين الموقوفة على الدوام (٦/ ۵۴۱)اور وقف میں یہ درست نہیں ہے۔

دراصل باری کو دائمی نہ کرنے کا مقتضی یہ ہے کہ اس میں خطرہ ہے کہ زمانہ کے طویل ہونے کی وجہ سے کہیں یہ ملکیت کے دعوی کا سبب نہ بنے یا اس میں سے ہر ایک دعوی کر سکتا ہے کہ جو حصہ اس کے قبضہ میں ہے وہ خاص طور پر اسی کے لئے وقف ہے۔

قال و مقتضاه : أنه ليس لهم استدامة هذه القسمة بل يجب عليهم نقضها واستبدال الأماكن بعضها ببعض، إذ لو استديمت صارت من القسمة الممنوعة بالاجماع، لتأديها فى طول الزمان إلى دعوى الملكية أو دعوى كل منهم أو بعضهم أن ما فى يده موقوف عليه بعينه ولا يخفى ما فى ذلك من الضرر. (رد المحتار: ٦/ ٥٤١)

اوپر یہ ذکر کیا گیا کہ حقیقی تقسیم یہ ہے کہ 'موقوف عین میں بعض حصوں کو بعض موقوف علیہ کے لیے ہمیشہ کے لئے خاص کیا جائے،'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کردہ عین کو مستحقین پر ملکیت کے طور پر تقسیم کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ ان کا حق عین میں نہیں، بلکہ اس سے حاصل شدہ نفع میں ہے، لہٰذا شیئ موقوفہ غیر منقولہ ہو جیسے زمین، مکان، دکان وغیرہ ہو تو اس کی اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس کی آمدنی

یعنی کرایہ زمین کی پیداوار وغیرہ موقوف علیہ پر صرف کیے جائیں زمین، مکان وغیرہ بیچا نہیں جائے گا۔

اسی طرح اشیاء منقولہ جیسے روپے پیسے، سونا چاندی وغیرہ یعنی جن کے بقاءِ اصل کے ساتھ انتفاع ممکن نہ ہو، ان چیزوں کو تجارت وغیرہ کے کام میں لگا کر اس کی منفعت سے فائدہ اٹھایا جائے گا اور اس طرح رأس المال کو باقی رکھا جائے گا۔

حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة. (در مختار: ٦/ ٥١٩)

قال الشامي قلت: أن الدراهم والدنانير لا تتعين بالتعيين فهي وإن كانت لا ينتفع بها مع بقاء عينها لكن بدلها قائم مقامها لعدم تعينها فكأنها باقيةً۔ (٦/٥٥٥)

ويدفع ثمنه مضاربة أو بضاعة وكذا يفعل في وقف الدراهم والدنانير وما خرج من الربح يتصدق به في جهة الوقف۔ (شامي:٦/٥٥٦)

منافع وقف کو موقوف علیہم کے درمیان تقسیم کرنے کا اصول یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ واقف کی اس بارے میں کوئی وضاحت ہے یا نہیں؟ یعنی واقف نے عند الوقف مذکر و مؤنث کے درمیان تقسیم میں کمی بیشی کی شرط لگائی ہے یا نہیں؟ یا متعین طور پر کوئی رقم متعین کی ہے یا نہیں؟ اسی اعتبار سے وقف کی آمدنی کو موقوف علیہم کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔

چونکہ وقف ایک اختیاری قربت ہے، جس کو وقف کرنے والا جس میں

چاہتا ہے اپنے پسندیدہ طریقہ کے مطابق وقف کرتا ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وقف کرتے وقت ایسی شرطیں لگائے جو حکم شریعت کے مخالف نہ ہو۔

بہر حال واقف جو شرطیں لگائے گا ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا، اور مخالفت جائز نہ ہوگی، بشرطیکہ وہ شریعت کے مخالف نہ ہو یا وقف کے مقتضی کے خلاف ہو۔ وقف کا قاعدہ ہے کہ واقف کی شرط نص شرعی کی طرح ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں: کہ واقف کی شرط کا اعتبار ہوگا جبکہ مخالف فی الشرع نہ ہو، اس لئے کہ وہ مالک ہے اسے کلی اختیار ہے کہ وہ جہاں چاہے اپنے مال کو صرف کرے، جب تک وہ معصیت نہ ہو۔

فان شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله أن يخص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع فى كلهم قربة(رد المحتار:٥٢٧/٦)

الغرض اگر واقف نے موقوف کو موقوف علیہم کے درمیان کس اعتبار سے تقسیم کرنا ہے اس کی وضاحت کی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر واقف نے اپنی طرف سے کوئی صراحت نہ کی ہو تو وقف کی آمدنی میں مذکر و مؤنث برابر ہوں گے، یعنی آمدنی ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگی۔

وقف علی الاولاد میں تقسیم کا مسئلہ

و لو وقف ضيعة له على ابن له و أولاده و أولاد أولاده أبدا ما تناسلوا؛ تقسم الغلة بينهم على من كان ولد ابنه على عدد الرؤوس يستوى فيه الذكر والأنثى وأولاد ابنة تدخل كذا فى خزانة المفتين

ناقلا عن النوازل (هنديه:۴۳۵/۳ الوقف باب المصارف)

وقف علی الاولاد میں منافع کی تقسیم میں دو بحثیں بنیادی ہیں۔

(۱) وقف علی الاولاد میں اولاد البنات شامل ہوں گے یا نہیں؟

(۲) جن صورتوں میں اولاد کے مصداق میں مذکر ومؤنث دونوں شامل ہوتے ہوں، ان صورتوں میں تقسیم کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ مساوات بین الذکور والإناث یا بہ طریقہ میراث؟

وقف علی الاولاد میں اولاد البنات شامل ہے یا نہیں ؟

وقف علی الاولاد، اور اولاد الاولاد میں بنات اور بنات الابن تو بالاتفاق داخل ہیں، البتہ اولاد البنات کے دخول اور عدم دخول میں فقہاء کا شدید اختلاف ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں: کہ ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ اولاد البنات مطلقاً وقف علی الاولاد واولاد الاولاد میں داخل نہیں ہوگی، چاہے واقف نے اسم جمع (اولاد) کا استعمال کیا ہو یا اسم جنس (ولد) کا استعمال کیا ہو یا ایک بطن پر وقف کا ذکر کیا ہو جیسے ’’وقفت علی أولادی‘‘ یا بطن ثانی کا بھی ذکر کیا ہو جیسے: ’وقفت علی أولادی و أولاد الأولاد‘‘۔ اضافت کے ساتھ کہا ہو یا ان کی طرف ضمیر لوٹا کر نسبت کی ہو؛ جیسے: ’’وقفت علی أولادی وأولادھم‘‘۔ کسی بھی صورت میں اولاد البنات شامل نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف علامہ خصاف فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں اولاد البنات داخل ہوگی۔

فی الشامية أن ظاهر الرواية المفتى به عدم دخول أولاد البنات في الأولاد مطلقاً: أي سواء قال على أولادي بلفظ الجمع أو بلفظ

اسم الجنس كولدى وسواء اقتصر على البطن الأول كما مثلنا أو ذكر البطن الثانى مضافا إلى البطن الأول، المضاف إلى ضمير الواقف كأولادى وأولاد أولادى، أو العائد على الأولاد كأولادى وأولادهم؛ على ماذكر فى أكثر الكتب وقال الخصاف يدخلون فى جميع ماذكر.(رد المحتار:٦/ ٦٩٠)

الحاصل یہ اختلاف واقف کے الفاظ پر مبنی ہے، اسی وجہ سے اگر واقف نے نسل یا ذریت کے الفاظ سے موقوف علیہم کی تعیین کی ہو تو اس وقت دختر اور دختر کی اولاد بھی ضرور شامل ہوں گی۔

ولو وقف على نسله أو ذريته دخل فيه أولاد البنين و أولاد البنات قربوا أو بعدوا. (هنديه:٢/ ٤٣٥)

منافع وقف کی تقسیم میں مذکر و مؤنث کا فرق

موقوف علیہم (اولاد واقف) کے درمیان منافعِ وقف کو تقسیم کرنے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ جب اولاد میں لڑکا اور لڑکی یعنی دونوں صنف کی اولادیں موجود ہوں تو بعض فقہاء مثل ہبہ مساوات کے قائل ہیں اور بعض فقہاء 'للذكر مثل حظ الانثيين' کے قائل ہیں یعنی وہ حضرات فریضۂ شرعیہ کے مطابق حصے تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔

صاحب درمختار نے مفتی دمشق یحیٰ بن منقار کے رسالہ 'الرسالۃ المرضیۃ علی الفریضۃ الشرعیۃ' کے حوالے سے علماءِ اخیار کا قول نقل فرمایا ہے کہ جب واقف نے زمانۂ صحت میں وقف کیا ہو اور منافع وقف کی تقسیم کے متعلق صراحت کی ہوں

کہ منافع کو شرعی حصہ کے مطابق اولاد کے درمیان تقسیم کیا جاوے، ایسی صورت میں مختار قول اولاد کے درمیان تسویہ (برابری) کا ہے۔ اس قول کے قائلین کا مستدل وہ حدیث ہے جس میں باپ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی اولاد کے مابین عطایا میں برابری کرے۔ اتّقوا الله واعدلوا فی أولادکم (من حدیث النعما بن بشیر ،صحیح مسلم)

علامہ شامیؒ نے اس مقام پر اس رسالہ کا خلاصہ بھی نقل فرمایا ہے، اور اخیر میں فرماتے ہیں:

ولیس عند المحققین من أهل المذهب فریضة شرعیة فی باب الوقف إلا هذه بموجب الحدیث المذکور والظاهر من حال المسلم اجتناب المکروه فلا تنصرف الفریضة الشرعیة فی باب الوقف إلا إلی التسویة والعرف لا یعارض النص، هذا خلاصة ما فی هذه الرسالة و ذکر فیها أنه أفتی بذلك شیخ الاسلام الحجازی الشافعی والشیخ سالم السنهوری المالکی والقاضی تاج الدین الحنفی وغیرهم . اه. (رد المحتار: ٦/٦٦٤)

اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ 'للذکر مثل خظ الانثیین' کے طور پر تقسیم کرنا راجح ہے۔ اور علامہ شامی نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

وقال محمدؒ یعطی للذکرضعف الانثی۔(رد المحتار:٦/٦٦٤)

چنانچہ مفتی دمشق شیخ یحیٰ کے رسالہ مرضیہ کا خلاصہ نقل فرمانے کے بعد علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس

کا نامُ العقود الدرية فی قول الواقف علی الفریضته الشرعیة‘ ہے۔اوراس مقام پرانہوں نے اپنے اس رسالہ کا خلاصہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

قلتُ و قد كنت قديما جمعت فى هذه الرسالة سميتها العقود الدرية فى قول الواقف على الفريضة الشرعية، حققت فيها المقام و كشفت عن مخدراته اللثام بما حاصله أنه صرح فى الظهيرية بأنه لو أراد أن يبر أولاده فالأفضل عند محمد أن يجعل للذكر مثل حظ الأنثيين و عند أبى يوسف يجعلها سواء وهو المختار، ثم قال فى الظهيرية قبيل المحاضر والسجلات عند الكلام على كتابة صك الوقف إن أراد الوقف على أولاده يقول للذكر مثل حظ الأنثيين وإن شاء يقول الذكر و الأنثى على السواء ولكن الأول أقرب إلى الصواب و أجلب للثواب ، "مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصا" و هكذا رأيته فى نسخة أخرى بلفظ 'الأول أقرب إلى الصواب' فهذا نص صريح فى التفرقة بين الهبة والوقف، فتكون الفريضة الشرعية فى الوقف هى المفاضلة،

فإذا أطلقها الواقف انصرفت إليها لأنها هى الكاملة المعهودة فى باب الوقف و إن كان الكامل عكسها فى باب الصدقة فالتسوية بينهما غير صحيحة على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة و صرح الأصوليون بأن العرف يصلح مخصصا والعرف العام بين الخواص و العوام أن الفريضة الشرعية يراد بها المفاضلة وهى إعطاء الذكر مثل حظ الأنثيين ولذا يقع التصريح بذلك لزيادة التاكيد فى غالب كتب الأوقاف بأن يقول يقسم بينهم على الفريضة الشرعية للذكر مثل حظ الأنثيين و لا تكاد تسمع أحدا يقول على الفريضة الشرعية للذكر مثل حظ الأنثى ، لأنه غير المتعارف بينهم فى هذا اللفظ ....(رد المحتار : ٦٦٥/٦)

میں نے بہت پہلے اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا اوراس کا نام العقود الدریہ فی قول الواقف علی الفریضۃ الشرعیہ رکھا تھا۔جس میں اس مسئلہ کی تحقیق

کرتے ہوئے پوشیدہ پہلو اجاگر کیے ہیں۔خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ظہیریہ میں صراحتاً مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہے تو امام محمد کے بقول افضل طریقہ لـلـذ کر مثل الانثیین والا ہے،اور امام ابو یوسف کے بقول مساوات افضل ہے۔ پھر ظہیریہ میں محاضرات وسجلات سے قبل وقف نامہ لکھنے کے طریقہ میں بیان کیا ہے کہ اگر اولاد پر وقف کرنا چاہے تو لـلـذ کر مثل حظ الانثیین کا طریقہ بھی اختیار کرسکتا ہے اور چاہے تو مذکر ومؤنث میں مساوات بھی کرسکتا ہے، لیکن پہلا طریقہ زیادہ درست اور زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

مطلب: واقفین کی غرض کی رعایت واجب ہے اور عرف مخصص بن سکتا ہے۔ میں ظہیریہ کے دوسرے نسخہ میں بھی اسی معنی کی عبارت 'الاول أقرب إلى الصواب' کے الفاظ سے دیکھی ہے۔اولاد کے لیے ہبہ اور وقف کے حکم میں فرق ہونے پر یہ عبارت صریح ہے۔لہٰذا وقف میں فریضہ شرعیہ سے 'مفاضلة' ہی مراد ہے۔پس جب واقف فریضہ شرعیہ مطلق بولے تو یہی معنی مراد ہوگا،اس لیے کہ بابِ وقف میں یہی معہودِ کامل ہے۔جب کہ باب صدقہ میں اس کا برعکس معنی معہودِ کامل ہے۔بہر حال مذکر ومؤنث کے درمیان تسویہ درست نہ ہوگا۔نیز فقہاء نے تصریح کی ہے کہ واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہے۔اور اصولیین نے تصریح فرمائی ہے کہ عرف کے ذریعہ تخصیص ہوسکتی ہے،اور عوام وخواص کے درمیان عرفِ عام یہی ہے کہ فریضہ شرعیہ کی مراد تفاضل یعنی مذکر کو مؤنث سے دوگنا دیا جائے۔اسی معنی کو مزید مؤکد کرنے کے لیے کتبِ فقہ میں تصریح ہوتی ہے کہ واقف یوں کہے کہ:''اولاد کے درمیان فریضہ شرعیہ کے طریقہ کے مطابق مذکر کو مؤنث سے دگنا دیا جائے''

اوراس کے بعد علامہ شامیؒ نے عرف ولغت، ہبہ اور وقف کے فرق وغیرہ امور پر کچھ تفصیل ذکر فرمائی ہے اور اخیر میں فرماتے ہیں:

وقد وقع سوال في أواخر كتاب الوقف من الفتاوى الخيرية، فيه

ذكـر الفريضة الشرعية مع عدم التصريح بأن للذكر مثل حظ الأنثيين، فـأجـاب بـالـقسـمة بـالـمفاضلة و أجاب فی الخيرية قبله فی سؤال آخـربـذلك أيـضـا و بـه أفتـی مفتی دمشق المرحوم الشيخ اسماعيل تـلميذ الشارح و كذا شيخ مشائخنا السائحانی و رأيت مثل ذلك فی فتـاوی الشهـاب أحـمـد ابـن الشـلبی الحنفی شيخ صاحب البحر و وافـقـه عـليـه الشهـاب أحـمد الرملی الشافعی فی فتاواه و رأيت مثل ذلك أيـضـا فی فتاوی شيخ الاسلام محقق الشافعية السراج البلقينی، و مثـلـه فـی الفتاوی المصنف و عزاه أيضا إلی المقدسی و الطبلاوی كـمـا يأتی قريبا، فكل هؤلاء الأعلام افتوا بما هو المتعارف من معنی هـذا الـلـفـظ و كـفـی بهـم قدوة و هذا خلاصة ما ذكرته فی الرسالة المذكورة و من أراد زيادة علی ذلك فليرجع إليها وليعتمد عليهاففيها المقنع لمن يتبدر ما يسمع ولله الحمد (رد المحتار: ٦/٦٦٦)

اس مقام پر صاحب در نے مفتی دمشق کے فتاوی کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے اپنے فتاوی میں بھی مساوات کا حکم ذکر فرمایا ہے، مگر علامہ شامیؒ اس پر گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حقیقت اس طرح نہیں، بلکہ مفتی دمشق شیخ یحیٰ نے اپنے فتاوی میں تو مفاضلۃ کا حکم تحریر فرمایا ہے۔ اور مساوات کا حکم تو اس صورت میں ہے جب کہ واقف کی اولاد میں فقط ذکور بیٹے ہوں، مگر ان میں شقیق واُخیافی و علاتی ہونے کا فرق ہو۔ ایسی حالت میں عموماً لوگ مذکر اولاد کے مابین فرق نہیں کرتے اور یہی معنی عرفاً فریضہ شرعیہ کا ہوگا۔ جب کہ مذکر و مؤنث اولاد ہونے کی

صورت میں مفاضلۃ ہی فریضہ شرعیہ کا معنی ہوگا۔

هـذا عجيب بل اللذى فيها خلافه وهو انصراف الفريضة الشرعيه إلى القسـمة بـالمفاضلة حيث وجد ذكور و إناث ، نعم وقع فى السؤال الـذى سـئـل عـنـه المصنف أنه آل الوقف إلى أخ الميت لأمه و أخيه الشقيق ، فأجاب بأنها تقسم الغلة بينهما نصفين لا قسمة الميراث أى لا يعطى للأخ للأم السدس والباقى للشقيق و قال إن هذا هو الموافق لـغـالـب أحـوال الواقفين وهو قصد التفاوت بين الذكر و الأنثى فإذا قال على حكم الفريضة ينزل على الغالب المذكورثم قال و قد أجاب بهـذا الـجـواب شيـخ الاسـلام عـمـدـة الأنـام مفتى الوقت بالقاهرة الـمـحـروس هـو الشيـخ نـور الدين المقدسى و شيخ الاسلام محمد الطبلاوى الشافعى مفتى الديار المصرية اه. (رد المحتار : ٦/٦٦٦)

خلاصۂ کلام یہ کہ واقف نے اپنی جائداد وقف کی تو منافع کی تقسیم کے متعلق اگر واقف زندہ ہوتو اس سے صراحت کر لی جائے لیکن اگر زندہ نہیں اور کوئی وضاحت بھی نہیں ملتی تو للذكر مثل حظ الانثيين **کی تقسیم راجح قرار پائے گی اور اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔(ردالمحتار: کتاب الوقف:٦/٦٦٥)**

موقوف علیھم کے درمیان ترتیب

وقف کے منافع کو موقوف علیہم کے درمیان تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ واقف نے منافع کو کس نوعیت سے تقسیم کرنے کی شرط لگائی ہے؟ آیا اس نے اپنے لئے کسی حصہ کو خاص کیا ہے؟ یا مال وقف سے خود

پہلے منتفع ہونے کی شرط لگائی ہے، پھر اپنی اولاد پر پھر قریبی رشتہ داروں پر پھر فقراء ومساکین پر۔ پس جب واقف کی ایسی کوئی وضاحت موجود ہو تو تقسیم غلات کی ابتداء وہیں سے کی جائے گی۔

وقف علی النفس

رہا مسئلہ واقف کا اپنی ذات پر وقف کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ واقف خود اپنے آپ کو پہلے موقوف علیہ متعین کرے پھر فقراء وغیرہ پر مال وقف صرف کیا جائے، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک یہ درست نہیں، لیکن فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

وعبارة المواهب فی الوقف علی نفسه وولده وعقبه جعل ریعه لنفسه أيام حياته ثم وثم جاز عند الثانی وبه يفتی۔ (در: ٦/٦٩٥)

دونوں حضرات کا مستدل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

ماروی 'أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم كان يأكل من صدقة' و المراد هنا صدقة الموقوفة ولا يحل الأكل منها إلا بالشرط فدلّ علی صحته ولأن الوقف إزالة الملك إلی اللّٰه تعالیٰ علی وجه القربة علی ما بيناه فإذا شرط البعض أو الكل لنفسه فقد جعل ما صار مملوكا للّٰه تعالی لنفسه لأنه يجعل ملك نفسه لنفسه وهذا جائز كما إذا بنی خانا أو سقاية أو جعل أرضه مقبرة وشرط أن ينزله أو يشرب منه أو يدفن فيه ولأن مقصوده القربة وفی الصرف إلی نفسه ذلك قال عليه الصلاة والسلام 'نفقه الرجل علی نفسه صدقة' (هدايه: ٢/٦٢٠)

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صدقہ میں سے کھاتے تھے، تو اس صدقہ سے مراد وقف ہے، حالانکہ وقف کے مال سے کھانا حلال نہیں ہے الا یہ کہ واقف اس کی شرط لگائے، اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں شرط کر لینا صحیح ہے۔

نیز وقف کے معنی کسی چیز سے اپنی ملکیت زائل کر کے تقرب کے طور پر اللہ کی ملک میں دینا ہے، جیسا کہ بیان ہوا۔

پس اگر واقف نے وقف کی آمدنی سے کچھ یا کل آمدنی اپنی ذات کے لئے شرط کی تو جو چیز اللہ کی مملوک ہو چکی تھی اسی کو اپنی ذات کے لئے شرط کی۔ یہ اپنی ملک کو اپنے لئے خاص کرنا نہیں ہے۔ اور اللہ کی مملوک چیز کو اپنے لئے شرط کر لینا جائز ہے، جیسے کوئی خان (سرائے خانہ) یا سقایہ (سبیل) (پانی کا پرب) بنائے یا کسی زمین کو قبرستان بنا دے اور یہ شرط لگائے کہ ان مسافر خانوں میں وہ خود بھی ٹھہرے گا یا ان پانی کی سبیل سے وہ خود بھی پیئے گا یا اس قبرستان میں اس کو بھی دفنایا جائے گا تو یہ جائز ہوتا ہے۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا مقصود تقرب الٰہی ہے اور یہی بات اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بھی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی کا اپنی ذات پر خرچ کرنا اس کے حق میں صدقہ ہے۔

امام محمدؒ کا مستدل:

وجه قول محمد أن الوقف تبرع على وجه التمليك بالطريق الذى قدمناه فاشتراط البعض أو الكل لنفسه يبطله لأن التمليك من

نفسه لایتحقق فصار کالصدقة المنفذة. (الهدایه: ۲/ ٦٢٠)

امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف کے معنی ہیں تبرع کرتے ہوئے اپنے مال کا کسی کو مالک بنا دینا ہے۔ یعنی اللہ عزوجل کی حضور میں تقرب حاصل کرنے کے لئے ،لہٰذا اس میں تھوڑی سی آمدنی یا پوری کی پوری آمدنی کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لینے کی شرط کرنا اس کو باطل کردے گا، کیونکہ خود اپنی ذات کو مالک بنا دینا متحقق نہیں ہوتا ہے،تو یہ مسئلہ ایسا ہوگیا جیسے صدقہ منفذہ صحیح نہیں ہوتا (یعنی کسی فقیر کو فی الحال بطور صدقہ کچھ مال اس شرط پر دینا کہ اس کا کچھ حصہ اس دینے والے کے لئے ہے اور وہ بوجہ شیوع باطل ہے) پس اس طریقہ سے وقف کرنا بھی امام محمدؒ کے نزدیک باطل ہے۔

الحاصل جب یہ بات محقق ہوچکی کہ واقف کا اپنی ذات کے لئے موقوف کا کچھ حصہ متعین کرنا درست ہے ،تو مال وقف کو تقسیم کرتے وقت سب سے پہلے واقف کو اس کا حصہ دیا جائے گا جیسا کہ علامہ حصکفیؒ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوا۔ وہ یہ ہے:

وعبارة المواهب فی الوقف علی نفسه وولده وعقبه وجعل ریعه لنفسه أیام حیاته ثم و ثم جاز عند الثانی و به یفتی۔ قال الشامی تحت قول المصنف ثم و ثم: حکایة لما یذکره الواقف من العطف بثم فی وقفه کقوله ثم بعدی علی أولادی ثم علی أولادهم۔

(ردمع الدر:٦/ ٦٩٥، ٦٩٦)

الأقرب فالأقرب کا مصداق

(۱) پہلی ترتیب: واقف نے اپنے حصے کے بعد ما بقی حصے کی تقسیم کے متعلق اقرب فالاقرب کو دینے کی شرط لگائی ہو یا اپنی موت کے بعد اقرب فالاقرب کو موقوف علیہم متعین کیا ہو تو واقف کے قریب ترین رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ قریبی رشتہ داری میں باعتبار رحم کے قریبی رشتہ دار مراد ہوں گے یا باعتبار میراث؟ تو اس میں راجح قول یہ ہے کہ باعتبار ُرحم' اقربیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تسویہ (برابری) راجح ہے، یعنی چاہے قریبی رشتہ دار ہو یا دور کا رشتہ دار ہو تمام حضرات کو برابر سرابر دیا جائے گا۔

لیکن اس قول پر عمل کرنے سے عاقل بالغ کے کلام کو بغیر کسی شرعی دلیل کے لغو کرنا لازم آتا ہے، جس کی شریعت مطہرہ اجازت نہیں دیتی، لہٰذا لازما قول اوّل (باعتبار رحم کے جو رشتہ دار ہوں گے ان کو دیا جائے گا) راجح اور مشہور ہے اس پر فتوی ہے۔

قوله: بالأقرب فالأقرب، قول الشامي: المراد بالأقرب: أقرب الناس رحما لا الإرث والعصوبة كما فى الخيرية وذكرفى أنفع الوسائل أن أبا يوسفؒ لم يعتبر لفظ أقرب فى التقديم بل سوّى بينه وبين الأبعد، ثم قال وبالجملة أنه ضعيف لأنه يلزم منه إلغاء صيغة أفعل بلا دليل وإلغاء مقصود الواقف من تقديم الأقرب اهـ فالمعتمد اعتبار الأقربية وهو المشهور۔ (شامى: ٦/ ٧٠٤)

ذیل میں کچھ مثالیں بیان کی جاتی ہے جس سے الاقرب فالاقرب کو سمجھا جاسکتا ہے، اور کس اعتبار سے ان میں تقسیم ہوگی اس کا اصول بھی واضح ہوگا (ان شاءاللہ)۔

واقف نے وقف کرتے وقت یہ الفاظ کہے ہو:

لو قال على أقرب الناس منى أو إلىّ ثم على المساكين وله ولد وأبوان فهى للولد ولو أنثى. (شامى:٦/٧٠٥)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ واقف نے یوں کہا کہ میری فلاں زمین مجھ سے سب سے زیادہ قریب رشتہ دار پر وقف ہے، دراں حالیکہ اس کی ایک اولاد ہے اور والدین ہے، تو مال وقف سے حاصل ہونے والا سارا نفع اس ایک ولد کا ہوگا، چاہے لڑکی ہی کیوں نہ ہو۔

آگے علامہ شامی لکھتے ہیں کہ آدمی سے سب سے زیادہ قریب اس کی اولاد ہے والدین نہیں۔ لانہ اقرب الیہ من ابویہ۔ (ایضا)

(۲) اور اگر صرف ابوین ہوں تو دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کردیا جائے گا۔ ولو له أبوان فهى بينهما نصفين۔ (أيضا)

(٣) ولو له أم وإخوة فللأم (أيضا)

اور ماں اور بھائی ہو تو ماں کو ہی ملے گا۔ اس اعتبار سے ماں اور دادی ہو تو ماں کو ہی ملے گا۔

(٤) ولوله جد لأب وأخوة.

اس صورت میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے دادا کو مقدم کیا ہے اور

بعض حضرات نے بھائیوں کو، دراصل جنھوں نے دادا کو بمنزلۂ باپ قرار دیا انہوں نے دادا کو مقدم کیا اور دوسروں نے بھائیوں کو مقدم کیا۔

ولـو له جد لأب وإخوة فللجد على قول من يجعله بمنزلة الأب وعـلـى الـقـول الآخر للإخوة، لأن من ارتكض معه فى رحم أو خرج معه من صلب أقرب إليه ممن بينه وبينه حائل. (ايضا)

(٥) ولو أب وابن ابن فللأب لأنه أقرب من النافلة.

واقف کا باپ اور پوتا ہو تو مال وقف کا نفع باپ کو ملے گا پوتے کو نہیں، اس لئے کہ قریبی رشتہ دار باپ ہے پوتا نہیں، جس کو شامیؒ نے لفظ نافلة سے تعبیر کیا ہے۔

(٦) ولـو بـنـت وابـن ابن ابن فلبنت البنت لأن الوقف ليس من قبيل الارث.

اسی طریقہ سے اگر واقف کی نواسی اور پڑپوتا ہو تو موقوف علیہم نواسی شمار ہوگی چونکہ بحث کے آغاز میں ہم کو کہہ چکے ہیں کہ یہاں 'اقرب' میں اعتبار رحم کا ہوگا، نہ کہ ارث کا، لہٰذا رحم میں قریبی رشتہ دار نواسی ہے نہ کہ پڑپوتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب واقف نے اقرب کا لفظ استعمال کیا ہو تو جو سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو اُن کو دیا جائے گا، پھر اگر واقف نے الاقرب فالاقرب کے الفاظ بھی استعمال کئے ہو تو ایسی صورت میں اقرب کی موت کے بعد دوم نمبر والے قریبی رشتہ دار کو مال وقف کا نفع دیا جائے گا، لیکن اگر وقـفـتُ علـى الأقـرب فالأقرب کا ذکر نہیں کیا صرف اقرب پر اکتفاء کیا تو ایسی صورت میں جو سب سے

زیادہ رشتہ دار ہو ان کو مال وقف کا نفع دیا جائے گا ان کے فوت ہو جانے کے بعد مسکینوں کو دیا جائے گا۔

ثم تکون للمساکین دون أبویه، لأنه لم یقل للأقرب فالأقرب. (شامی)

اقارب میں ترتیب

(۲) دوسری ترتیب: واقف نے وقف کرتے وقت موقوف علیہم کی تعیین ان الفاظ میں کی ہو: 'ولو قال علی أقاربی علی أن یبدأ بأقربهم إلیّ نسبا أو رحما ثم من یلیه' اس کی مثال علامہ شامی نے یوں دی ہے کہ: ولو أخوان واختان یعنی واقف کے دو بھائی اور دو بہنیں ہوں تو ان پر مال وقف کو تقسیم کرنے کی ترتیب خود علامہ شامی بیان فرماتے ہیں کہ: یبدأ بمن لأبویه ثم بمن لأب۔ سب سے پہلے حقیقی بھائی بہنوں کو دیا جائے گا پھر علاتی بھائی بہنوں کو پھر اخیافی کو۔ لیکن اگر حقیقی بھائی بہن نہیں ہے بلکہ ایک علاتی اور اخیافی ہے تو علاتی کو پہلے دیا جائے گا اور پھر اخیافی کو، یہ ترتیب امام صاحب کے مذہب کے مطابق ہے۔ ولو کان احدهما لاب والاخر لام یبدأ بمن لابیه عنده ۔لیکن صاحبین کے نزدیک ایسی حالت میں کوئی تفریق نہیں دونوں کو برابر دیا جائیگا۔ وقالا : وهما سواء۔

ان مثالوں سے واضح ہوا کہ لفظ اقرب اس وقت تک 'قرابتِ اصطلاحی' کا فائدہ نہیں دیگا جب تک کہ اس کو قرابت کے ساتھ خاص نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اقرب کا لفظ قریبی رشتہ دار کے لئے خاص نہیں۔ اسی وجہ سے اگر واقف نے

ان الفاظ سے وقف کیا ’’أما لو قال علی أقرب الناس منی‘‘ تو اس میں قریبی رشتہ دار اور غیر قریبی رشتہ دار تمام داخل ہونگے، اسی وجہ سے والدین بھی داخل ہوں گے حالانکہ والدین قریبی رشتہ دار نہیں جیسا کہ اوپر کی مثال سے واضح ہوا۔

یشمل القرابة وغیرهما ولذا یدخل فیه الأبوان مع أنهما لیس من القرابة۔ (شامی)

پہلی دو قسموں کی ترتیب حنفیہ کے یہاں اس طرح ہوگی کہ جو سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو ان کو دوسو درہم دئے جائیں گے (یعنی مقدار نصاب) پھر ان کے بعد جو سب سے زیادہ قریبی ہو۔

صاحب تقریرات فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم استحساناً ہے قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ سارا مال پہلے قریبی رشتہ دار کو ملنا چاہئے لیکن یہاں استحسان کو ترجیح ہوگی۔

قال فی الإسعاف وقف علی فقراء قرابته الأقرب فالاقرب یبدأ بأقربهم إلیه بطنا فیعطی کل واحد مأتی درهم ثم یعطی الذی یلیه کذلك حتی تفرغ الغلة وهذا استحسان وفی القیاس تعطی الغلة کلها للبطن الأقرب منه ولایعطی لمن بعده شئ حتی ینقرض الأقرب ذکره هلال۔ اه (تقریرات علی ابن عابدین:١٠٦/٦)

الأحوج فالأحوج کا مصداق

(۳) تیسری ترتیب: واقف نے موقوف علیہم احوج کے اعتبار سے متعین کئے ہوں۔ حسن بن زیاد کے قول کے مطابق اگر کسی نے اپنے ثلث مال کو وقف

کرنے کی وصیت کی ہو اور موقوف علیہم رشتہ داروں میں سے سب سے زیادہ جو محتاج ہو پہلے ان کو دیا جائے پھر ان سے کم تر محتاج کو اس ترتیب متعین کیا ہو تو اس حال میں ایک کے پاس سو درہم ہے اور دوسرے کے پاس سو درہم سے کم ہے تو سب سے پہلے جس کے پاس سو درہم سے کم ہے اسے دیا جائے گا حتی کہ اس کے پاس بھی سو درہم ہو جائے پھر باقی بچا مال دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔

قال الحسن: فی رجل أوصی بثلثه للأحوج فالأحوج من قرابته وکان فیهم من یملك مأة درهم مثلا ومن یملك أقل منها: یعطی ذو الأقل إلی أن یصیر معه مأة درهم، ثم یقسم الباقی بینهم جمیعا بالسویة۔ (شامی: ٦/٥٠٧)

صاحب تقریرات فرماتے ہیں کہ یہ استحسانا ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ سارا کا سارا احوج کو دیا جاتا پھر اس کے ختم ہو جانے کے بعد جو سب سے زیادہ محتاج ہو اسے دیا جاوے جیسا کہ الاقرب فالاقرب کی ترتیب میں ہوا۔

یظهر أن هذا استحسان والقیاس أن تعطی الغلة کلها للأحوج۔ (تقریرات: ٦/١٠٦)

پڑوسیوں پر وقف میں ترتیب

(۴) چوتھی ترتیب: واقف نے اپنے غریب پڑوسیوں پر وقف کیا ہو تو یہ وقف ان غریب پڑوسیوں پر ہوگا جن کا گھر اور واقف کا گھر ملا ہوا ہو، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کا قول ہے، لہٰذا یہ وقف ان تمام گھر والوں پر ہوگا جس کا گھر

واقف سے ملصق ہے، پھر چاہے آزاد ہو یا تو غلام ہو، مذکر ہو، مؤنث ہو، مسلمان ہو یا ذمی ہو؛ تمام ہی برابر ہوں گے، چاہے دروازہ قریب ہو یا بعید ہو، گھر سے التصاق ہونا ضروری ہے۔ کمافی الوصیۃ اورسب کو دینا ضروری ہوگا۔

قال الدر: أو بمن جاوره۔ قال الرد:لوقال على فقراء جيراني فهي عنده للفقير الملاصقة داره لداره الساكن هو فيها لتخصيصه الجار بالملاصق فيما لو أوصى لجيرانه بثلث ماله والوقف مثلها، وبه قال زفر: ويكون لجميع السكان في الدور الملاصقة له الأحرار و العبيد و الذكور والأناث والمسلمون وأهل الذمة سواء، وبعد الأبواب وقربها سواء ولا يعطى القيم بعضا دون بعض بل يقسمها على عدد رؤوسهم.

صاحبین کے نزدیک پورے محلّہ کے فقراء کو دیا جائے گا، وعندهما : للجيران الذين يجمعهم محلة واحدة.

وقف علی الأولاد میں ترتیب

(۵) پانچویں ترتیب: (۱) جب واقف اپنی اولاد پر وقف کرے اور ایک ہی بطن پر اکتفاء کرے تو اس صورت میں صرف ایک ہی بطن کے لیے وقف ہوگا، اس کے بعد اس وقف کے مستحقین فقراء ہوں گے نہ کہ دوسرا بطن، اس لئے کہ واقف نے ’وقفتُ علی ولدی ‘یعنی ایک بطن کا ہی ذکر کیا ہے، لہٰذا دوسرا بطن داخل نہیں ہوگا، لہٰذا جب بطن اول نہ پایا جائے تو وقف کو فقراء کی طرف پھیر دیا

جائے گا، لیکن واقف کے وقف کرتے وقت پوتے موجود ہوں تو ان کو بھی ملے گا، نواسیاں ہر دو صورت میں شامل نہیں ہوگی۔

قال فی الدر: كجعله لولده ولكن يختص بالصلبى ويعم الأنثى مالم يقيد بالذكر ويستقل به الواحد فإن انتفى الصلبى فللفقراء دون ولد الولد إلا أن لايكون حين الوقف صلبى فيختص بولد الأبن ولو أنثى دون من دونه من البطون ودون ولد البنت فى الصحيح.

وقال فى الرد: 'دون ولد الولد" لاقتصاره على البطن الاوّل ولااستحقاق بدون شرط۔ (شامى:٦/٦٩٦)

(۲) اسی طریقہ سے واقف نے دو بطن ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہو تو بھی اوپر والا حکم رہے گا، یعنی دو بطن کے بعد موقوف علیہم فقراء طے پائیں گے۔

الدر: ولو زاد ولد ولدى فقط اقتصر عليهما۔ وفى الرد : أى مقتصرا على البطن الأول و الثانى۔ (أيضا)

جب واقف نے دو بطن کا تذکرہ کیا ہو اور کسی قسم کی ترتیب کا ذکر نہ ہو تو ایسی صورت میں بطن اول اور بطن ثانی کے درمیان تسویہ کیا جائے گا، اور صلبی کو نافلہ پر مقدم کیا جائے گا۔

قال فى الدر: يشتركون فى الغلة ، ولا يقدم الصلبى على ولد الابن لأنه سوى بينهما أى حيث لم يذكر ما يدل على الترتيب ، بخلاف ما إذا رتب كما يأتى۔ (شامى)

(۳) واقف نے تین بطن کا ذکر کیا ہو تو اس صورت میں پوری نسل پر وقف

ہوگا، جب تک ایک فرد باقی رہے گا، وقف کو فقراء کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا اور مالِ وقف کو تقسیم کرنے میں برابری کی جائے گی الا یہ کہ واقف ترتیب کو ذکر کرے۔کما مر۔

قال فی الدر: ولو زاد البطن الثالث عم نسله ويستوى الأقرب والأبعد إلا أن يكون مايدل على الترتيب .

وقال فی الرد: عم نسله أی صرف إلى أولاده ماتناسلوا لا للفقراء مابقى واحد من أولاده وإن سفل۔ درر.

قوله يستوى الأقرب والأبعد أی يشترك جميع البطون فی الغلة لعدم مايدل على الترتيب، وعلله الخصاف بأنه لما سمى ثلاثة أبطن صاروا بمنزلة الفخذ تكون الغلة لهم ماتناسلوا الخ.

قوله إلا أن يذكر مايدل على الترتيب 'بأن يقول الأقرب فالأقرب أو يقول على ولدى ثم على ولد ولدى أو يقول بطنا بعد بطن فحينئذ يبدأ بما بدأ به الوقف۔ درر (شامی:٦/٦٩٧)

وقف علی الاولاد میں ہائے کنایہ کے مرجع سے ترتیب کا ثبوت:

اگر واقف نے تا حیات اپنے لیے غلہ خاص کیا پھر اولاد پر وقف کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کیے: ثم لولده فلان ما عاش ثم بعده للأعف الأرشد من أولاده ؛تو مطلب یہ ہوگا کہ اول واقف،اس کے بعد اس کی اولاد مساوی طور پر بلا امتیاز نیک و بد، یعنی صلبی اولاد کے استحقاق میں کوئی قید نہیں، البتہ اس کے بعد والے بطن میں رشد وصلاح کی قید کا اعتبار ہوگا یعنی للأعف

الأرشــد مــن أولاده میں "ہ" ضمیر سے مراد بیٹوں کی نیک صالح اولاد مراد ہوگی، چنانچہ نیک صالح پوتے ہی غلہ وقف کے مستحق ہوں گے۔

وفـی جـواهـر الفتاوی شرطه لنفسه مادام حیا ثم لولده فلان ما عـاش ثـم بـعـده لـلأعف الأرشـد من أولاده فالهاء تنصرف للإبن لا لـلـواقف لأن الکنایة تنصرف لأقرب المکنیات بمقتضی الوضع.(در مع الشامی :٦٨٥/٦)

استحقاق وقف کی ترتیب کے درجات میں تبدیلی ہوجائے تو:

اگر باعتبار افضلیت استحقاق رکھنے والے کے مقابلہ میں اگر کوئی مفضول شخص افضل بن جائے تو مصرفیت میں وہ مقدم ہوجائے گا۔جیسے کہ وقف علی الافقر فالافقر۔لہٰذا متولی کے لیے ضروری ہے کہ واقف کی شرط کے مطابق افضلیت کے اعتبار سے مستحقین پر نظر ثانی کرتا رہے۔

ولو صار المفضول منهم أفضل ممن کان أفضلهم تنتقل الولایةُ إلیـه فیـنظر فی کل وقت إلی أفضلهم کالوقف علی الأفقر فالأفقر ،اه ملخصا. (درالمختار مع رد المحتار : ٦٨٢/٦)

وقف علی المساکین کے حقداروں کی ترتیب:

واقف نے جب مطلقاً وقف کیا ہو، یعنی مصارف کے طور پر متعین افراد کی تعیین نہ کی ہو، جیسا کہ اوپر گذرا، بلکہ مطلقاً فقراء اور مساکین یا ایسی جہت متعین کی ہو جس کے تحت بے شمار افراد شامل ہوں تو اس صورت میں کیا ترتیب ہوگی؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایسے اوقاف میں واقف کے مقصدِ وقف کو مدِ نظر

رکھتے ہوئے اولاً شئ موقوف کو آباد رکھنے اور اس کے بقاء کی فکر کی جائے گی، مثلاً عمارت کی مرمت وغیرہ میں منافع کو صرف کیا جائے گا۔ اس کے بعد زائد منافع کو فقراء اور مساکین پر صرف کیا جائے گا۔ اور فقراء اور مساکین پر صرف کرنے کی ترتیب یہ ہوگی کہ اولاً واقف کی اولاد میں سے جو محتاج ہو اس کو دیا جائے گا۔ البتہ اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کہیں وہ اپنے آپ کو مخصوص طور پر موقوف علیہ نہ سمجھ لے، اس لیے کبھی کل غلہ اس کو دیا جائے، کبھی کچھ دیا جائے، کبھی مناسب سمجھے تو نہ دے؛ البتہ یہ تفصیل اسی صورت میں ہے جب کہ واقف نے اپنے قرابت دار فقراء کو دینے کی صراحت نہ کی ہو اور مطلق رکھا ہو، اگر فقراء قرابتہ کی تصریح کر دی ہو تو قرابت دار فقراء کو ہی دیا جائے گا، سابق میں اس کی ترتیبِ استحقاق بیان کی جا چکی ہے۔

وإن لم يشترط الواقف قال في الرد: لان قصد الواقف صرف الغلة مؤبدا ولا تبقى دائمة الا بالعمارة فيثبت شرط العمارة اقتضائا۔ (درمع رد:٦/ ٥٦١)

وفي الغياثية عن هلال: الوقف على الفقراء مطلقا جاز صرفه إلى ولده إن احتاج و هذا بخلاف الزكوة و في هذه المسئلة للمشائخ اقاويل والمختار ما قاله هلال، لكن يعطى أقل من مأتى درهم و إن اعطى مأة درهم جاز ويكره كما في الزكوة . م : ولو رأى القيم أن لا يعطيه كان له ذلك . . . . . و لكن لا يصرف إليه كل الغلة بل يصرف البعض إليه والبعض إلى الفقراء و إن كان يصرف إليه كل

الـغـلة فـإنـمـا يـصرف بعض الأزمان دون البعض، هذا إذا وقف على الـفـقـراء واحتـاج إليـه بـعـض قـرابته، فأما إذا وقف على فقراء قرابته تـصـرف جـمـيـع الغلة إليهم و إن كا يصيب كل واحد منهم أكثر من مـأتـى درهـم و أمـا إذا وقف عـلـى الأفقر فالأفقر من أقربائه فههنا لا يعطى الكل، إنما يعطى أقل من مأتى درهم . (تاتارخانيه ۱۱۳/۸)

اور اگر واقف کے طے کردہ مصارف کے ختم ہونے کی وجہ سے انتہاء مساکین وفقراء مصارف طے پائے ہوں اور واقف کی جانب سے اس بارے میں کوئی صراحت موجود نہ ہو کہ کون سے فقراء کو منافع وقف دئے جائیں تو اس صورت میں کون سے فقراء ومساکین مراد ہوں گے اور تقدیم وتاخیر اور استحقاق کی ترتیب کیا ہوگی ؟

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے عمارت پر یا زمین پر منافع وقف کو خرچ کیا جائے گا، اس عمارت پر خرچ کرنے کی شرط اگر چہ واقف نے نہ لگائی ہو؛ لیکن یہ ضرورۃ واقتضاء ثابت ہوگا، کیونکہ عمارت یا زمین کے بغیر وقف کا دوام ممکن نہیں۔ پھر اس کے بعد منافع وقف کو ان مساکین پر خرچ کیا جائیگا جو عمارت یا زمین سے قریب ہو، جیسے کہ علامہ شامیؒ نے مساجد کے باب میں صراحت فرمائی: علامہ شامیؒ ، علامہ حصکفیؒ کے قول ثم ماھو اقرب لعمارتہ الخ کے تحت لکھتے ہیں:

وإن لـم يشتـرط الـواقف قال في الرد: لان قصد الـواقف صـرف الـغـلة مـؤبدا و لا تبقى دائمة الا بالعمارة فيثبت شرط العمارة

اقتضائا (درمع رد:٦/ ٥٦١)

أي فـان انتهـت عـمارته وفضل من الغلة شئ يبدأ بما هو أقرب لـلعمارة، وهو عمارته المعنوية التی هی قيام شعائره۔ قال فی الحاوی الـقـدسی والذی يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته شرط الـواقف أولا، ثـم مـاهـو أقـرب إلـى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام لـلـمسـجـد، والـمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح هذا إذا لم يكن معينا۔
(شامی:٦/٥٦٠)

عبارت بالا میں علامہ شامیؒ نے الحاوی القدسی کا قول نقل کیا ہے جس میں عام اوقاف کا مسئلہ لکھا ہے کہ سب سے پہلے منافع وقف کو عمارت کے لئے خاص کیا جائیگا پھران مساکین کو دیا جائے گا جو اس وقف سے قریب ہو جیسے مسجد کا وقف ہو تو امام کو دیا جائیگا، مدرسہ کو ہو تو مدرس کو اسی طریقہ سے مساکین پر علی الاطلاق وقف ہو تو اس قیاس پر کہ جو مسکین اس وقف سے قریب ترین ہو باقی مستحقین پر مقدم ہوگا۔علامہ شامیؒ خود آگے ایک جگہ پر فرماتے ہیں:

ان الـوجـه يـقـتـضـی ان مـاكـان قـريبا من العمارة يلحق بها فی التقديم على بقية المستحقين۔ (شامی:٦/ ٥٦١)

الحاصل یہ بات محقق ہوچکی کہ سب سے پہلے اس مسکین کو دیا جائیگا جو اس وقف سے قریب ترین ہو، اسی وجہ سے واقف کی اولاد خود محتاج ہو جائے تو سب سے پہلے انہی کو دیا جائیگا پھر قریبی رشتہ دار اگر محتاج ہو تو ان کو دیا جائیگا پھر پروسیوں

کو پھر شہر کے فقراء کو۔

وذكر في واقعات الناطفي أن الوقف إذا كان في حالة الصحة ولم يكن مضافا إلى ما بعد الموت فانصرف إلى ولد الواقف أولى ثم إلى قرابة الواقف ثم إلى موالي الواقف ثم إلى جيرانه ثم إلى أهل مصره أيهم أقرب إلى الواقف منزلا. (الفتاوى التاتارخانية: ٨ / ١١٢، ١١٣)

نوٹ: مذکورہ عبارت میں ناطفی کی شرط 'ولم یکن مضافا إلی ما بعد الموت' سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مضاف إلی ما بعد الموت وقف کیا ہو تو یہ وقف کی وصیت ہوگی اور اس اعتبار سے اس وقف کے مستحقین میں اس کی اولاد شامل نہ ہوگی، ہاں پوتے وغیرہ اگر وارث نہ ہو اور مسکین ہوں تو مستحقین میں شمار ہوں گے، ایسا ہی قول ہلالؒ کا بھی منقول ہے، البتہ امام خصافؒ فرماتے ہیں کہ حالتِ صحت میں وقف مضاف إلی ما بعد الموت ہو تو بھی وصیت نہیں سمجھا جاتا، لہٰذا یہ وقف کل مال متروکہ میں نافذ ہوگا اور وصیت نہ ہونے کے سبب ورثاء بھی مسکین ہوں تو حقدار ہوں گے۔

ذكر الخصاف في وقفه: إذا أوصى الواقف أن تجعل أرضه صدقة موقوفة لله تعالى أبدا بعد وفاتي على المساكين فاحتاج ولده أعطاه غلة الصدقة وليس هذا بوصية (الفتاوى التاتارخانية: ٨ / ١١٢، ١١٣)

اجارۃ الوقف:

وقف کی زمین کرایہ پر دینا درست ہے، بشرطیکہ واقف کی غرض کے خلاف نہ ہو اور کرایہ پر دینے کا حق واقف کو یا متولی کو ہے۔

وقف کی ان تمام اشیاء کا عقد اجارہ درست ہے جس کا مملوکہ اشیاء میں اجارہ درست ہے، چاہے وہ منقولی ہو یا غیر منقولی۔ اور اجارۃ الوقف میں ان تمام شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جس کا اجارۃ الملک میں رکھا جاتا ہے، چاہے وہ عقد کے اعتبار سے ہو یا صحت و نفاذ کے اعتبار سے ہو تمام شرائط کا پاس و لحاظ کرنا عاقدین پر ضروری ہوگا۔

یراعی شرط الواقف فی إجارته لأن شرط الواقف کنص الشارع. (شامی: ٦/ ٦٠٥)

لا تصح إجارة من له السکنی بل المتولی أو القاضی. (در مختار: ٦/ ٥٦٩)

وقف کی جائدا کو کرایہ پر دینے کے سلسلہ میں فقہاء کا عام رجحان یہ ہے کہ دائمی اجارہ یا طویل المدۃ اجارہ کا عقد کرنا درست نہیں۔ یہ رجحان متأخرین حضرات کا ہے، متقدمین کے یہاں ایسی کوئی قید نہیں، متأخرین فقہاء نے جب اہل زمان کا فساد دیکھا تو مال وقف کے ضیاع کے اندیشہ سے کرایہ کی مدت مختصر رکھنا ضروری قرار دیا۔ چنانچہ کھیتی کی اراضی زیادہ سے زیادہ تین سال اور رہائشی مکانات زیادہ سے زیادہ ایک سال کے لئے کرایہ پر دیئے جاسکتے ہیں، اس لئے کہ

اگراس سے زیادہ مدت کے لئے مکان وزمین کرایہ پر دیا جائے تو اس کا تحفظ خطرہ میں پڑسکتا ہے؛ اور کرایہ دار قبضہ اور استحقاق کا دعوی کر سکتے ہیں۔لیکن درحقیقت یہ وقف کی مصلحت اورس کے مفاد پرمبنی ہے، اگر طویل مدت کی کرایہ داری میں وقف کا فائدہ ہوتو اسی کو اختیار کیا جائے اور اگر کم مدت کا اجارہ مفید ہوتو اس کو ترجیح دی جائے گی۔

مجموعہ قوانین اسلامی، مرتبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ میں ہے:

دفعہ نمبر: ۳۷۔اراضیٔ موقوفہ میں اگر زمین یا کاشت کی نوعیت ایسی ہو کہ کرایہ دار کو ایک سال کی مدت میں کامل انتفاع حاصل نہیں ہوتا یا زمین کو قابل کاشت بنانے ہی میں سال گزر جاتا ہے، تو ایسی صورت میں قاضی کی اجازت سے زیادہ سے زیادہ تین سال تک کے لئے زمین کرایہ پر دی جاسکتی ہے۔

دفعہ نمبر: ۳۸۔مخصوص حالات میں جب کہ ایک سال یا تین سال کی مدت تک کرایہ داری کو محدود کرنے میں کرایہ دار ہی نہیں ملے یا کم کرایہ ملے جس سے وقف کونقصان ہوتو قاضی کی اجازت سے مدت اجارہ میں اتنا اضافہ کیا جاسکتا ہے جس سے وقف پر مالکانہ قبضے کا خطرہ نہ ہو۔(ص:۳۶۴)

(إجارة الوقف) تقيد بسنة و بها (السنة) يفتى فى الدار و بثلاث سنين فى الأرض تنوير، وقال الشامى : لأن المدة إذا طالت تؤدى إلى إبطال الوقف فإن من رآه يتصرف بها تصرف الملاك على طول الزمان يظنه مالكا.

(وأما) قول المتقدمين عدم تقدير الإجارة بمدة ، ورجحه فی أنفع الوسائل (ولکن) المفتی به ماذکره المصنف (أی صاحب التنویر بتقیید المدة) خوفا من ضیاع الوقف.

وقال صاحب الدر ’ إلا إذا کانت المصلحة بخلاف ذلك‘ وقال فی هامشه أن المختار أنه لایجوز فی الدور أکثر من سنة إلا إذا کانت المصلحة فی الجواز وفی الضیاع یجوز إلی ثلاث سنین إلا إذا کانت المصلحة فی عدم الجواز(شامی: ٦/ ٦٠٥،٦٠٦)

الحاصل مدت کی تعیین کا مدار وقف کی حفاظت اور اس کے نفع بخش ہونے کے ساتھ ساتھ زمان ومکان پر بھی ہے، جیسا کہ علامہ شامی لکھتے ہیں؛ ’ هذا أمر یختلف باختلاف المواضع واختلاف الزمان اه‘‘۔

آج کل اداروں، کمپنیوں اور کارخانوں کوکرایہ دار بنانا مفید سمجھا جاتا ہے؛ کیوں کہ اس سے معقول کرایہ حاصل ہوتا ہے جو پابندی سے ادا کیا جاتا ہے اور سال بہ سال کرایہ میں مناسب اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے، نیز ادارے اور کمپنیاں مختصر مدت کے لئے کرایہ دار بننا قبول نہیں کرتی۔

اس لئے وقف کے مصالح اور اس کے مفاد کی رعایت کرتے ہوئے ایسے اداروں سے طویل مدت کی کرایہ داری بھی طے کی جائے تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تین سال کے لئے کرایہ داری کی جائے اور مدت کے اختتام پر عقد اجارہ کی تجدید کی جائے تو اس سے وقف بھی محفوظ رہے گا اور ضرورت بھی پوری ہوتی رہے گی۔

واعلم أن المسئلة فيها ثمانية أقوال، ذكرها العلامة قنالى زاده في رسالته، أحدها قول المتقدمين عدم تقدير الإجارة بمدة و رجحه في أنفع الوسائل والمفتى به ما ذكره المصنف خوفا من ضياع الوقف كما علمت،

قوله إلا إذا كانت المصلحة بخلاف ذلك ، هذا أحد اقوال الثمانية وهو ماذكره الصدر الشهيد من أن المختار أنه لا يجوز فى الدور أكثر من سنة إلا إذا كانت المصلحة فى الجواز و فى الضياع يجوز إلى ثلاث سنين إلا إذا كانت المصلحة فى عدم الجواز و هذا أمر يختلف باختلاف المواضع و اختلاف الزمان اه. و عزاه المصنف إلى أنفع الوسائل و أشار الشارح إلى أنه لا يخالف ما فى المتن لأن اصل عدول المتأخرين عن قول المتقدمين بعدم التوقيت إلى التوقيت إنما هو سبب الخوف على الوقف فإذا كانت المصلحة الزيادة أو النقص اتبعت وهو توفيق حسن (در مع الشامى : ٦٠٦/٦)

وفى البزازية لو احتيج لذلك يعقد عقودا فيكون العقد الأوّل لازما لأنه ناجز والثانى لا، لأنه مضاف (الدر :٦٠٦/٦) وقال صاحب التقريرات: قول الشارح يعقد عقودا : لا حاجة إلى العقود لما قاله من أنها تؤجر مدة طويلة للضرورة وقد يقال أنها أخف و أقل ضررا لتمكنه من الفسخ إذا زالت الضرورة أثناء المدة فتكون بعقود أنفع لجهة الوقف تأمل(تقريرات : ٦ / ٨٨ الهامش السادس)

اس موقع پر علامہ شامیؒ نے طویل اجارہ کی ضرورت اور طویل کرایہ داری نہ کرنے کے فتاوی کو سامنے رکھ لوگوں کے درمیان ایک عقد میں پے در پے عقود شامل کرنے کا جو حیلہ مشہور ہے، اس کے متعلق وضاحت فرمائی ہے کہ طویل اجارہ کرنے کا یہ حیلہ اس وقت نا درست ہوگا جب کہ اس کی ضرورت نہ ہو، اگر وقف کو واقعی ضرورت ہو اور طویل اجارہ میں واقعی نفع ہو تو یہ حیلہ درست ہے:

مطلب فی الإجارة الطویلة بعقود

قوله الفتوى على إبطال الإجارة الطويلة ولو بعقود أى لتحقق المحذور المار فيها وهو أن طول المدة يؤدى إلى إبطال الوقف، كما فى الذخيرة قلت : لكن الكلام هنا عند الحاجة فإذا اضطر إلى ذلك لحاجة عمارة الوقف بتعجيل أجرة سنين مستقبلة يزول المحذور الموهوم عند وجود الضرر المتحقق، فالظاهر تخصيص بطلان هذه الإجاره بما عدا هذه الصورة وهو جعلها حيلة لتطويل المدة فتدبر، ثم رأيت ط نقل عن الهندية أن بعض الصكاكين أرادوا بهذه الإجارة إبقاء الوقف فى يد المستأجر أكثر من سنة فقال الفقيه أبو جعفر إنا نبطلها صيانة للوقف وعليه الفتوى كذا فى المضمرات، انتهى ملخصا ، وأنت خبير بأن هذا دليل على ما قلنا من أن إبطالها عند عدم الحاجة فلا يناسب ذكره هنا فافهم. (شامی : ٦/٦٠٨)

اوقاف کی زمینوں کا دائمی اجارہ یا پٹۂ دوامی

اجارہ کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت سے ختم

ہوجائے، نیز اوقاف میں طویل المدۃ یا دائمی اجارہ وقف کے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے، اس لئے اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ اوقاف میں دائمی اجارہ یا پٹۂ دوامی درست نہ ہو، البتہ بعض صورتوں میں شخصی املاک میں اور اوقاف میں بھی خلاف قیاس اور خلاف اصول دائمی اجارہ کی اجازت ہے اور فقہاء نے مخصوص شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ ہمارے تدریب الافتاء کے فاضل اور رفیق محترم مفتی زید صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق مختصر اور نفیس بحث اپنے مقالہ ''اجارہ اور اس کے جدید صورتوں کے احکام'' میں تحریر فرمائی ہے، یہاں اسی کو نقل کرنا مناسب ہے۔

پٹہ اور پٹۂ دوامی

پٹہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ متعینہ مدت کے لیے متعینہ اجرت کے عوض زمین کرایہ پر دی جاوے اور تمام شرائطِ اجارہ کا اس میں لحاظ رکھا جائے، شرعی حیثیت سے اصول اجارہ کے مطابق جواز کی یہی شکل بنتی ہے۔

اور یہ اجارہ مدت کے اختتام پر یا متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت پر ختم ہو جائے گا اور شئ مستأجر مالک کے حوالہ کرنا ضروری ہوگا۔

ویجوز أن یستأجر الساحة لیبنی فیها أو لیغرس فیها نخلا أو شجرا لأنها منفعة تقصد بالأراضی ثم إذا انقضت مدة الإجارة لزمه أن یقلع البناء والغرس ویسلمها فارغة. (رسائل ابن عابدین : ۱٤٦/۲)

وتنفسخ (الإجارة) بموت أحدهما إذا عقدها لنفسه بخلاف (البیع) (الاشباه والنظائر: ٤٤٥) الفن الثالث الجمع والفرق

لیکن فقہاء کے کلام سے بعض صورتیں ایسی بھی معلوم ہوتی ہیں جس میں

مستأجر کا قبضہ چند شرائط کے ساتھ دائمی رہتا ہے اور نسلاً بعد نسل بھی دراز ہوسکتا ہے اور جب تک وہ ان شرائط کی پاسداری کرے وہاں تک موجر کو اس کا قبضہ ختم کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں رہتا۔ ان شرائط کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ (۱۸/۵: تا ۲۸) میں اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے احسن الفتاوی (۷/۳۴۴) میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

<u>پٹۂ دوامی سے متعلق شرائط</u>

(۱) مالک بوقت عقد مستأجر کو پٹہ دوامی لکھدے کہ یہ زمین ہمیشہ کے لئے کرایہ پر دی جارہی ہے۔

(۲) کرایہ دار اس زمین میں تعمیر وغیرہ کرلے۔

(۳) معاہدہ میں طے ہو کہ جب اس جیسی زمینوں کا کرایہ بڑھے گا تو اس کا بھی کرایہ بڑھے گا یعنی اجرت مثل واجب ہوگی اور اس میں معیار زمین کی اصل حالت کو بنایا جائے گا جو قبل الاجارہ تھی موجودہ حالت کو نہیں، (جو مستاجر کی اصلاح ودرستگی کے بعد بنی ہے۔)

(۴) کرایہ دار پابندی سے کرایہ ادا کرتا رہے۔

(۵) کرایہ دار زمین کو ۳ سال تک معطل نہ چھوڑے۔

(٦) اوقاف کی زمینوں میں پٹہ دوامی پر دینا اسی وقت جائز ہوگا جبکہ انہیں آباد کرنے اور اس سے معتد بہ مقدار میں نفع حاصل کرنے کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور شکل نہ ہو۔

(۷) یہ کسی بھی طرح وقف کے لیے مضر اور مخل نہ ہو۔

اگر مستأجر ان شرائط کی پاسداری کرے تو اس کا حقِ قرار بحال رہے گا، اور

وراثت میں بھی منتقل ہوگا؛لیکن بحیثیت ملک نہیں؛ بلکہ بحیثیت استحقاق ہوگا،اسی لئے یہ انتقال قواعدِ میراث کی بنیاد پر نہ ہوگا۔

اگر مستأجر ان شرائط کی پاسداری نہیں کرتا تو مالک یا متولیٔ وقف کو اس سے قبضہ ختم کرنے کا حق رہتا ہے۔

پٹۂ دوامی میں قابل بحث امور

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پٹہ دوامی میں تین امور قابل بحث ہیں۔

(۱) پٹہ دوامی کا جواز اوقاف کے ساتھ خاص ہے یا شخصی املاک میں بھی اس کی گنجائش ہے؟

(۲) اجارہ متعینہ مدت کا ہو اور اس درمیان مستأجر کوئی ایسا تصرف کرے جس سے اس کو حق قرار حاصل ہو یا ختمِ اجارہ میں اس کو ضرر کثیر ہو تو کیا اس کو اجارہ جاری رکھنے کا حق ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں بھی اوقاف اور شخصی املاک کا فرق ہے یا نہیں؟

(۳) پٹۂ دوامی میں مستأجر کی وفات کے بعد حقِ اجارہ تمام ورثاء کی جانب بحیثیت ترکہ منتقل ہوگا؟ یا فقط بعضِ ورثاء کو ہی حق اجارہ حاصل ہوگا؟

ان تینوں امور کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) امر اول: پٹۂ دوامی کا جواز اوقاف کے ساتھ خاص ہے یا شخصی املاک میں بھی اس کی گنجائش ہے؟

نعم يفتى به فيما دعت إليه الحاجة وجرت به في المدة المديدة العادة وتعارفه الأعيان بلا نكير كالخلو المتعارف في الحوانيت وهو أن يجعل الواقف أو المتولي أو المالك على الحانوت قدرا معينا يؤخذ

من الساکن و یعطیه به تمسکا شر عیا فلا یملك صاحب الحانوت بعد ذلك إخـراج السـاکن الذی ثبت له الخلو و لا إجارتها لغیره مالـم یدفع لـه الـمبلغ المرقوم فیفتی بجواز ذلك قیاسًا علی بیع الوفاء الذی تعارفه الـمتـأخـرون احتیـالا عـن الـربـا حتـی قال فی مجموع النوازل : اتفق مشائخنا فی هذا الزمان علی صحته بیعا لاضطرار الناس إلی ذلك و من الـقـواعد الکلیة، إذا ضاق الأمر اتسع حکمه فیندرج تحتها أمثال ذلك مما دعت الیه الضرورة و الله اعلم ۔(شامی :۳۵/۹)

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ مالک یا متولی کچھ عوض لے کر حق قرار یا اجارہ کے دوام کا حق مستأجر کو دے سکتا ہے، اوراس کا جواز عرف کے سبب سے ہے، قواعد اس کی صحت کی نفی کرتے ہیں؛ مگر بیع وفاء کی طرح اس کو جائز کہا جائے گا۔

اگر ابقاء اجارہ کا عوض لے لیا ہے یعنی کچھ عوض لے کر دوامِ اجارہ کا حق دیا گیا ہے تو فقہاء کی عبارت کے مطابق عرف کی وجہ سے وقف اور شخصی املاک دونوں میں اس کی گنجائش ہے۔

(۲) امر دوم: اجارہ متعینہ مدت کا ہو اور اس درمیان مستأجر کوئی ایسا تصرف کرے جس سے اس کو حق قرار حاصل ہو یا ختمِ اجارہ میں اس کو ضرر کثیر ہو تو کیا اس کو اجارہ جاری رکھنے کا حق ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں بھی اوقاف اور شخصی املاک کا فرق ہے یا نہیں؟

اس کا حکم یہ ہے کہ مستأجر کو اصولاً حق قرار نہ ہوگا اور غرس اور بناء کی وجہ سے اجارہ جاری رکھے تو یہ حق فقط اوقاف کی زمینوں میں ہوگا، وہ بھی چند شرطوں کے

ساتھ۔

وأنت خبير بأن صريح عباراتهم أن المستاجر يجبر على تسليم الأرض للمؤجر فارغة وأنه ليس له أن يبقى البناء والغراس فى الأرض بدون رضا الموجر و هذا بعمومه شامل للأرض الملك و الوقف (لكن) ذكر فى البحر عن القنية مانصه : استاجر أرضا وقفا وغرس فيها وبنى ثم مضت مدة الإجارة فللمستاجر أن يستبقيها بأجر المثل إذا لم يكن فى ذلك ضرر ولو أبى الموقوف عليهم إلا القلع ليس لهم ذلك (قلت) وحاصله أن كلام المتون و الشروح وإن كان شاملا للوقف والملك لكن كلام القنية حيث اعتضد بما ذكره الخصاف صار مخصصا لكلام المتون والشروح بالملك ويكون الوقف خارجا عن ذلك فللمستاجر الاستبقاء بأجر المثل بشرط عدم الضرر على الوقف اصلا.(رسائل ابن عابدين :۲/ ۱٤۷)

وأما إذا لم يكن له فيها حق القرار وفرغت مدة إجارته فلا قائل بانه أحق من غيره وأنه يلزم المؤجر إيجارها منه فإن هذا مخالف لما أطبقت عليه كتب أئمتنا متونا وشروحا وفتاوى من أنه بعد انتهاء المدة يلزم المستأجر تسليم الأرض فارغةً وقلع بنائه وغراسه إلا إذا كانت معدة لذلك وثبت له فيها حق القرار كماعلمت من استثناء أصحاب الفتاوى ذلك فيبقى ما عداه داخلا فى اطلاق عبارات المتون والشروح۔(رسائل ابن عابدين: ۱٥۷/۲)

والفرق أن الوقف معد للإيجار فإيجاره من ذى اليد بأجرة مثله أولى

مـن إيـجاره من أجنبی لما فيه من النظر للوقف و النظر للمستأجر الذی وضـع السكنی بالإذن و ثبت له حق القرار بخلاف الملك فإن لصاحبه أن لايـؤجـر ليسكنه بنفسه أو يعيره أو يرهنه أو يبيعه أو يعطله۔(رسائل ابن عابدين: ۱۵۲/۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ موقت اجارہ میں ضرر کے پیش نظر بقاء اجارہ کا تقاضہ کرنے والے اسباب (غرس اور بناء وغیرہ) کی وجہ سے اجارہ کے ابقاء کا حق مستاجر کو فقط وقف کی زمینوں میں ملے گا اور شرط یہ ہے کہ وقف کو ضرر نہ ہو، نیز یہ زمین دکان وغیرہ اجارہ کے مقصد کے لیے ہی ہوں۔

شخصی ملک کی زمین میں چوں کہ مالک کو اختیار ہے، چاہے اپنی زمین کو اجارہ پر دے یا خود استعمال کرے یا معطل کر دے، جب کہ اوقاف میں تعطیل وغیرہ کی اجازت نہیں، اس لیے مستأجر اول زیادہ حقدار ہوگا۔

پس شخصی ملکیت میں مالک کے حق کی وجہ سے اجارہ ختم کر دیا جائے گا اور اوقاف میں مستأجر کے ضرر کو دیکھتے ہوئے اور اوقاف کے فائدے کے پیش نظر اجارہ باقی رکھا جائے گا۔

البتہ اس سے ایک صورت مستثنی ہے، اور وہ یہ کہ شخصی زمین کے اجارہ مؤقت میں مستأجر نے درخت لگائے ہوں یا تعمیر کی ہو اور مدت پوری ہونے پر اس کو غرس و بناء اکھیڑ لینے کا حکم دینے میں اس قدر نقصان ہو جو زمین کی قیمت سے بھی زائد ہے تو اس کو نقصان سے بچانے کے لیے زمین کی قیمت کا ضامن بنایا جائے گا اور وہ زمین کا بھی مالک بن جائے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم تب ہے جب کہ دونوں کے مابین نزاع ہو اور رفع نزاع کی

اور کوئی صورت نہ ہو، پس اس صورت میں اگر دونوں فریق اجارہ کو آگے بڑھانے پر راضی ہوں تو بدرجہ اولی درست ہوگا اور مستأ جر کو اجارہ جاری رکھنے کا حق ہوگا۔

پس کل ملا کر ۳ صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(الف) وقت پورا ہونے پر مستأ جر غرس و بناء اکھیڑ لے اور زمین فارغ کر کے مالک کے حوالہ کر دے۔

(ب) مالک اجارہ جاری رکھنے پر راضی ہو یعنی مستأ جر کا حق اجارہ مان لے اور اجارہ جاری رکھے۔

(ج) اگران دونوں صورتوں میں سے کسی پر رضامندی نہیں ہوتی تو مالک کی ملک یعنی زمین اور مستأ جر کی ملک یعنی بناء وغرس وغیرہ کی قیمت دیکھی جائے گی، جس کی قیمت زیادہ ہووہ دوسرے کی چیز کی قیمت ادا کر کے کل جائیداد کا مالک بن جائے۔

وفی الشامية تحت قوله: ولو استاجر أرض وقف وغرس فيها قيد بالوقف لما فى الخيرية عن حاوى الزاهدى عن الأسرار من قوله: بخلاف ما إذا استاجر أرضا ملكا ليس للمستاجر أن يستبقيها كذلك إن أبى المالك إلا القلع بل يكلفه على ذلك إلا إذا كانت قيمة الغراس أكثر من قيمة الأرض فيضمن المستأجر قيمة الأرض للمالك فيكون الأغراس والأرض للغارس وفى العكس يضمن المالك قيمة الأغراس فيكون الأرض والأشجار له وكذا الحكم فى العارية. (شامى: ٤٢/٩)

(۳) امرِ سوم: پٹۂ دوامی میں مستأ جر کی وفات کے بعد حقِ اجارہ تمام ورثاء کی جانب بحیثیت ترکہ منتقل ہوگا؟ یا فقط بعضِ ورثاء کو ہی حق اجارہ حاصل ہوگا؟

اب تک کی بحث پر نظر کی جائے تو ہمارے سامنے مجموعی طور پر ۲ مسئلے آتے ہیں:

(۱) اوقاف کی زمینوں میں مستأجر کا حق قرار و دوام۔

یہ چوں کہ وقف کی مصلحت اور فائدے کے پیش نظر اور مستأجر کے حق اسبقیت کے پیش نظر ہوتا ہے، اس لیے مستأجر کی موت کے بعد بھی انہی امور کو مدنظر رکھا جائے گا یعنی بیٹوں کو ہی حق اجارہ ملے گا، بیٹیوں کو نہیں، کیوں کہ یہ ان کا کام ہی نہیں، بیٹے نہ ہونے کی صورت میں اگر کوئی بیٹی یہ کام کرتی ہو اور کرسکتی ہو تو اس کو حق ملے گا ورنہ نہیں۔

قال فی کتاب المزا رعة من الفتاوی الخیریة (سئل) فی رجل مزارع فـی أراضـی بیـت الـمـال والـوقف والتیـمـار یـؤدی قسـمها للجهات الـمـذكـورـة مدة عمره مات عن ابن و بنت هل تقسم بینهما قسمة ما یـمـلـکـه مـن الأموال للذکر مثل حظ الانثیین أم لا وتبقی فی ید الابن الـمـتـعـاطـی لـلـفـلاحة فیهـا ولاشـئ للبنت فیها (أجاب) المزارع فی الارض السـلـطـانیة أو الوقف أو التیمار لایملك الأرض وانما هو أحق بمنفعتها من غیره حیث لم یکن خائنا ولا معطلا لها تعطیلا یضر ببیت الـمـال والـوقف فـلا تـقسـم قسمة مایملکه المیت من المال باجماع العلماء وتبقی فی ید ابنه المزارع حیث کان صالحا کما کان أبوه علی وجه الأحقیة من الغیر والله تعالی اعلم

(سـئـل) فـی قـریة یـزرع أرضهـا الـمزارعون بالحصة وهی وقف أو سـلـطـانیة ورجـل مـن أهـل الـقریة واضع یده علیها مدة سنین یزرعها ویدفع ما هوالمتعین من الحصة تلقاها عن أبیه بحیث أن مدته مدة أبیه

عـليهـا تـزيـد عـلـى أربعين سنة ويريد رجل أن يرفع يده عنها ويزرعها مـدعيـا أن له فيها حصة هل ترفع يده عنها أم لا ولا يملك المدعى رفع يـده عـنهـا (أجاب) لا ترفع يده عنها ففى الحاوى الزاهدى والقنية له حـق الـقـرار فى أرض وقف أو سلطانية ويتصرف فيها غيره وهو يراه و لـم يمنعه ليس له حق الاسترداد انتهى فإذا كان هذا فيمن له حق القرار فـمـا بـالك بـالمزارع الذى ليس له حق القرار وهو المسمى بالكردار.

(رسائل ابن عابدين :۲/ ۱٤۹)

وإذا مـات عـن ابن توجه لابنه فيقوم مقامه فيها... وذكر فى الحامدية قبـل ذلك أنهـا لا تـورث وإنما توجه للابن القادر عليها دون البنت ثم نـقـل عـن مجموعة عبد الله آفندى أنها عند عدم الابن تعطى لبنته فإن لـم تـوجـد فـلأخيـه لأب فـإن لم يوجد فلأخته الساكنة فإن لم توجد فـلأمـه (وذكـر العلائى) فى خراج الدر المنتقى تنتقل للابن ولا تعطى البنت حصة وإن لـم يترك ابنا بل بنتا لاتعطى(رسائل ابن عابدين : ۲/ ۱۵۱)

(۲) شخصی املاک میں پٹۂ دوام یعنی اجارہ دائمی کا عقد کرنا۔

اس میں دوام کا حق کسی مصلحت کے پیش نظر نہیں، بلکہ عقد کے سبب مستأجر کا استحقاق ہے، اور ایسے معاملات میں مستأجر کا قصد ہی یہ ہوتا ہے کہ تاحیات اپنے لئے اور بعد ممات اپنی اولاد کے لیے اجارہ ہو، اس لیے اس میں میراث کے قاعدے کے مطابق تمام ورثاء استیجار میں شریک ہوں گے۔

ہماری سمجھ کے مطابق ادارۃ المباحث الفقہیہ کی درج ذیل تجاویز اسی مسئلہ کے بارے میں ہیں:

طویل مدتی کرایہ کے مکانوں اور دکانوں میں حق وراثت کا مسئلہ

اسلامی اصول کی روشنی میں کرایہ دار کو مالک کے درجہ میں نہیں رکھا جا سکتا ہے، لیکن ہندوستان جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں بہت سی صورتوں میں کرایہ دار کو قانونی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے اور مالک بآسانی اپنی ملکیت کرایہ دار سے خالی کرانے کا اختیار نہیں رکھتا، جیسا کہ طویل مدتی کرایہ داری میں یہ بات بالکل واضح ہے۔ نیز بعض صورتوں میں کرایہ داری کے حق قرار کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں کرایہ دار کی وفات کے بعد اس کے وارثین کی حق تلفی کی صورت بھی سامنے آسکتی ہے، ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہی اجتماع درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

(۱) کرایہ دار کو شرعی اصول کی روشنی میں حقیقی مالک کے درجہ میں نہیں رکھا جا سکتا، بلکہ وہ صرف کرایہ داری کے زمانے میں اس ملکیت سے انتفاع کا حق رکھتا ہے، بیع وشراء کا حق نہیں رکھتا۔

(۲) اگر کرایہ داری کی مدت متعین ہو تو مقررہ وقت گزرنے پر عقدِ اجارہ خود بخود ختم ہو جائے گا، اب یا تو مالک سے صراحتاً یا دلالۃً نیا عقد کیا جائے یا مالک کے مطالبہ پر جائداد خالی کر دی جائے، اس صورت میں مالک کی مرضی کے بغیر کرایہ دار کا جبری قبضہ جائز نہیں ہے، بلکہ صریح ظلم ہے۔

(۳) طویل مدتی کرایہ داری کی وجہ سے اگر چہ کرایہ دار کو مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں گے، لیکن بعض صورتوں میں، جیسے پٹۂ دوامی یا اس کے مشابہ؛ کرایہ داروں کو حق قرار حاصل ہوگا اور مالک کو بلا کسی عذر شرعی کے معاملہ کو فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(۴) جن صوتوں میں کرایہ دار کو شرعاً کرایہ داری برقرار رکھنے کا استحقاق ہو ان صورتوں میں اس کی وفات کے بعد تمام ورثاء کو یہ استحقاق رہے گا، کسی ایک وارث کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے نام کرایہ داری منتقل کرا کے دوسروں کو محروم کر دے۔

(۵) نیز اس صورت میں اگر حق اجارہ داری سے دستبرداری کے بدلہ کوئی معاوضہ حاصل کیا جاتا ہے تو اس میں حسب اصول شرع تمام ورثاء حق دار ہوں گے۔ (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز: ۸۰۔۸۱)

خلاصہ: اس تحریر ہم نے میں پٹہ دوامی سے متعلق شخصی ملک اور اوقاف؛ دونوں سے متعلق علیحدہ بحث کی ہے، پٹہ دوامی کا معاملہ بسبب ضرورت دونوں میں درست ہے، البتہ اس کے جواز کی بنیاد جداگانہ ہیں، یعنی شخصی املاک میں پٹہ دوامی کے جواز کی بنیاد بننے والی ضرورتیں اور اوقاف میں جواز کی بنیاد بننے والی ضرورتیں الگ الگ بھی ہوسکتی ہیں، لہٰذا احکام میں بھی اس اعتبار سے فرق ہوسکتا ہے۔

اسی لیے ہم نے یہ لکھا ہے کہ اوقاف میں تو حق دوام فقط ایسے ورثاء کی طرف منتقل ہوگا جو وقف کو آباد کرنے، اس کے منافع کو برقرار رکھنے یا اس کو بڑھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں، ظاہر ہے کہ عموماً یہ نرینہ اولاد میں ہوگا، اِلا یہ کہ کسی کی مؤنث اولاد بھی اس معیار پر پوری اترے۔ جب کہ شخصی املاک میں مستاجر کی ضرورت ہی اپنی آئندہ نسل تک اس اجارہ کے فوائد کو باقی رکھنے کی ہے، اس لیے شخصی املاک میں تمام ورثاء باعتبار میراث شریک ہوں گے۔

فتاوی دارالعلوم زکریا، جلد ۵ ص: ۳۲۹ تا ۳۳۲، اس مسئلہ پر بحث کے بعد خلاصہ میں جواہر الفقہ کے اس قول کی تردید ہے جس میں فقط اولاد ذکور کی طرف

حق دوام منتقل ہونے کا حکم ہے، اس سلسلے میں بھی ہمارا خیال یہی ہے کہ جواہر الفقہ میں اس مسئلہ کی دونوں جہتیں، شخصی املاک اور اوقاف؛ کو الگ الگ کر کے نہیں دیکھا گیا ہے، اور غور کرنے سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو ہم نے سابق میں ذکر کیا۔

طویل المدۃ اجارہ کے متعلق ہندوستانی قانون

مسلم پرسنل لاء، ہندوستان، کے ضمن میں ہندوستانی پارلیمنٹ میں منظور شدہ وقف ایکٹ، 1995 مع ترمیمات 2013 میں اوقاف کے اجارہ کے متعلق متعدد قوانین وضع کیے گئے ہیں، جو سب وقف کی مصالح اور حفاظت کے مقصد کی تکمیل کے لیے ہی ہیں۔ اس کے بعد 2014 میں وقف جائیداد پٹہ قواعد ۲۰۱۴ پارلیمنٹ میں پاس کیا گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ قوانین موجودہ دور میں زمینوں کے غصب، ظالمانہ قبضہ وغیرہ امور کو سامنے رکھ کر معیاری طریقے سے متعین کیے جاتے ہیں، اگر ان قواعد کی پاسداری کی جائے تو وقف کی حفاظت وصیانت کے لیے فقہاء نے جو کچھ شرائط اور ضوابط متعین فرمائے ہیں، ان پر بھی عمل ہو جاتا ہے، اس لیے ذیل میں وقف ایکٹ 1995 اور جائیداد پٹہ قواعد 2014 میں سے اجارہ کے متعلق کچھ ضروری قواعد یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

وقف ایکٹ 1995 دفعہ 56 اس طرح ہے:

[56] <u>وقف جائیداد کا پٹہ دینے کے اختیار پر پابندی</u>

(ا) کسی ایسی غیر منقولہ جائیداد کا جو وقف جائیداد ہے، تیس (30) سال سے زیادہ کی کسی مدت کے لئے پٹہ، وقف نامی یا وثیقے یا فی الوقت نافذ کسی

دیگر قانون میں کسی امر کے باوجود باطل اور غیر مؤثر ہوگا۔

مگر شرط یہ ہے کہ تیس سال سے زیادہ مدت کا پٹہ ریاستی حکومت کی منظوری سے ایسی مدت کے لئے اور ایسی اغراض کے لئے جن کی مرکزی حکومت کے ذریعہ بنائے گئے قواعد میں صراحت کی جائے، تجارتی سرگرمیوں تعلیم یا صحت کی اغراض کے لئے کیا جاسکے گا۔

مزید شرط یہ ہے کہ کسی ایسی غیر منقولہ جائیداد کا جو زرعی زمین ہو، کا تین سال سے زیادہ کی کسی مدت کے لئے پٹہ، وقف نامی یا وثیقے یا فی الوقت نافذ کسی دیگر قانون میں کسی امر کے باوجود باطل اور غیر مؤثر ہوگا۔

مزید شرط یہ ہے کہ کسی وقف جائیداد کا پٹہ کرنے سے قبل بورڈ ایسے پٹہ کی تفصیل شائع کرے گی اور کم از کم ایک معروف قومی اور علاقائی اخبار میں بولی لگانے کی دعوت دے گا۔ (وقف قوانین: ص:۵۲)

وقف جائیداد پٹہ قواعد 2014 میں سے کچھ قوانین

ایک سال سے کم قلیل مدت کے پٹے کی بابت طریقۂ کار

[4] کوئی متولی یا بورڈ وقف کی جائیداد کو ایسے قیود اور شرائط جن پر فریقین راضی ہو ایک سال سے کم مدت کے لئے پٹے پر دے سکتے ہے۔

قلیل مدتی پٹے کے علاوہ پٹے کا طریقۂ کار

قلیل مدتی پٹے سے متعلق مذکورہ قاعدہ [4] میں جیسی توضیح کی گئی ہے اس کے سوا، حسب صورت متولی یا بورڈ سبھی معاملوں میں جہاں وقف کی جائیداد ایک سال سے زیادہ کی مدت کئے لئے دی جانی مطلوب ہے، لیکن یہ تیس [30] سال سے زیادہ کی نہ ہو، کم از کم ایک مقبول عام قومی ہندی، اردو یا

انگریزی اخبار اور ایک علاقائی یا مقامی اخبار میں مندرجہ ذیل تفاصیل درج کرتے ہوئے بولی لگانے کی دعوت دیتے ہوئے شائع کرے گا، [i] یعنی وقف جائیداد کا صحیح رقبہ یا تفصیل اور مقام، [ii] وہ مقصد یا غرض جس کے لئے جائیداد کا پٹے پر دیا جانا مطلوب ہے۔ [iii] وہ مدت جس کے لئے جائیداد کا پٹے پر دیا جانا مطلوب ہے، [iv] کم از کم ریزرو قیمت فی مربع فٹ (وقف قوانین: صفحہ:۱۷۹)

[6] پٹہ کے لیے بولی لگانے کی دعوت

مسابقتی بولیاں لگانے کی ان سبھی معاملوں میں دعوت دی جائے گی جن میں پٹہ پر دی گئی جائیداد کی کرایہ ماہانہ آمدنی ایک ہزار 1000 روپیہ سے زیادہ ہے، اور وقف جائیداد سب سے زیادہ بولی لگانے والے کو پٹہ پر دی جائے گی،

لیکن کسی معاملہ میں بولی قاعدہ نمبر [7] میں مصرحہ قیمت سے کم نہیں ہوگی۔

[7] ریزرو قیمت:

(1) وقف جائیداد کے پٹے کے لئے فی مربع فٹ ریزرو قیمت جائیداد کی بازار قیمت کے پانچ فیصد سالانہ سے کم نہیں ہوگی۔

(2) ذیلی قاعدہ: (1) میں مصرحہ بازار قیمت رجسٹرار یا سب رجسٹرار کے دفتر میں انتقال جائیداد کے لئے متعین قیمت ہوگی۔

[8] جمع کی جانے والی سیکیوریٹی ادائیگی:

(1) پٹے کی تکمیل ہونے پر پٹے دار قاعدہ کے مطابق پٹے کی مدت کی بنیاد

پر سیکیو ریٹی کی رقم جمع کرائے گا، یعنی (i) ایک سال تک کے پٹے کی مدت کے لئے تین مہینہ کا پٹہ کرایہ (ii) ایک سال سے زیادہ اور پانچ سال کی مدت تک پٹے کی مدت کے لئے گیارہ مہینوں کا پٹے کا کرایہ، (iii) پانچ سال سے زیادہ اور دس سال تک کی پٹے کی مدت کے لئے چوبیس مہینوں کا پٹے کرایہ اور (iv) دس سال سے زیادہ اور تیس سال کی پٹے کی مدت کے لئے چوبیس مہینوں کا پٹہ کرایہ۔

[11] پٹہ کرایہ میں سالانہ اضافہ

ہر ایک پٹہ کے اقرار نامہ میں اس امر کی بابت ایک فقرہ شامل کیا جائے گا کہ موجودہ پٹہ کرایے میں ہر سال کم از کم پانچ فیصد اضافہ ہوگا۔

[16] وقف جائیدا کی تفویض، ذیلی پٹہ یا انتقال کی ممانعت:

پٹے دار پٹہ یا اس کے مفاد یا پٹے پر دی ہوئی جائیداد کے سبھی یا کسی حصہ کی نہ تو تفویض کرے گا نہ اسے ذیلی پٹے پر دے گا، نہ گروی رکھے اور نہ ہی اسے دیگر شخص کو منتقل کرے گا، اور نہ ہی کسی دیگر شخص کو اس کے استعمال کرنے یا اس پر قابض ہونے کے لئے پٹے پر دی گئی جائیداد کے سبھی یا کسی حصہ دار قبضہ کرنے کی اجازت دے گا۔

لیکن وقف جائیداد کی بابت کسی کارپوریشن یا کسی سرکاری ایجنسی کے ذریعہ کیا گیا پٹہ فریقین کے مابین طے شدہ قیود و شرائط کے مطابق لاگو ہوگا۔ (وقف قوانین:۱۸۲)

[16] پٹہ کی تجدید۔

[1] کسی بھی پٹے سے متعلق اقرار نامے میں خود بخود تجدید کے لیے کوئی

بھی فقرہ شامل نہیں کیا جائے گا۔

[2] بورڈ پٹے کی تجدید کرتے وقت موجودہ پٹہ دار کو ترجیح دے گا، بشرطیکہ وہ بولی میں حصہ لیتا ہے اور سب سے اونچی بولی جیسی بولی لگاتا ہے۔

[19] پٹے کی غرض اور مدت:

[1] بورڈ درج ذیل اغراض اور مدت کے لئے کسی بھی غیر منقولہ وقف جائیداد کا پٹے دے سکے گا، یعنی

(i) دکانوں کے لئے پٹہ پانچ سال کی مدت کے لئے،

(ii) کولڈ اسٹورتیج، شادی ہال، یا چھوٹی صنعتوں کے لئے پٹہ دس سال تک کی مدت کے لئے۔

(iii) شاپنگ مال، رہائشی عمارتوں، ہوٹلوں، ریستوران یا سرائے قائم کرنے یا چلانے کے لئے تیس سال تک کی مدت کے لئے۔

(iv) تعلیمی اداروں؛ جیسے اسکول، کالج، یونیورسٹی، اسپتال، ڈسپنسری، مدرسہ یا مکتب قائم کرنے یا چلانے کے لئے تیس سال کی مدت کے لئے۔

(v) زرعی اغراض کے لئے سال بہ سال کی بنیاد پر یا فصل موجود ہونے تک اگر فصل ایک سال سے زیادہ عرصہ تک رہے، لیکن زرعی اغراض کے لئے کسی بھی صورت میں تین سال سے زیادہ مدت کے لئے پٹہ نہیں دیا جائے گا۔ (وقف قوانین، ۱۸۳)

کرایہ کی شرائط کی پابندی اور اجرت مثل

موقوفہ جائداد (زمین، مکان، دکان) میں عقد اجارہ کیا جائے اور فریقین

آپس میں کچھ شرطیں متعین کرے تو ان شرائط کی پابندی کرنا عاقدین کے لئے ضروری ہوگا، مثلا: متولیٔ وقف نے عقدِ اجارہ کے وقت ہر ماہ یا ہر سال کرایہ بڑھانے کی شرط لگائی ہے، تو کرایہ دار پر لازم ہے کہ وہ شرط کے مطابق کرایہ بڑھائے اور اگر کرایہ دار کرایہ نامہ کے مطابق عمل نہ کرے تو متولی اس سے مال وقف پر قبضہ کرلے اور اجارہ فسخ کردے۔

عن كثير ابن عبد الله بن عمرو بن عوف المزنی عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرّم حلالا وأحل حرامًا والمسلمون على شروطهم إلاشرط حرّم حلالا أوأحل حرامًا(قال الترمذی هذا حديث حسن صحيح) (الترمذی:۲۵۱/۱ النسخة الهنديه)

تاہم اس میں اختلاف نہیں کہ کرایہ معقول ومناسب اور فقہاء کی اصطلاح میں اجرت مثل ہونی چاہئے۔

ويوجر بأجر المثل فلا يجوز بالأقل. (تنوير مع الدر، كتاب الوقف:٦٠٨/٦)

صاحب جامع الفصولین نے ضرورت کو مستثنی کیا ہے، اس کی تفصیل فتاوی حانوتی کے حوالہ سے علامہ شامی نے یوں کی ہے کہ اجرت مثل سے کم کرایہ طے کرنا اس وقت درست ہوگا جب کہ وقف پر کوئی ضرورت آن پڑے یا مال موقوف مقروض ہو۔

قال فی جامع الفصولين: إلا عن ضرورة وفی فتاوی الحانوتی : شرط

إجــارـة الـوقف بـدون أجــرـة الـمثل إذا نـابتـه نـائبة أو كـان دين اه (شامی:٦٠٨/٦)

اجارہ میں عقد اول کو باقی رکھنے کی صورتیں:

علامہ شامی فرماتے ہیں: مستأجر اول دوصورتوں میں اولی ہے(۱) جب کہ مستأجر کرایہ نامہ کی پابندی کرتا ہو یہ اولویت اثناء مدت میں ہے(۲) البتہ جس مستأجر کوحق قرار حاصل ہوتو وہ اختتام مدت کے بعد بھی اولی ہے،حق قرار اس طور پر حاصل ہو کہ مستأجر نے درخت لگائے ہو یا کھیتی کی ہو اور ابھی فصل آنی باقی ہو اگر اس صورت میں اجارہ کوختم کر دیا جائے تو اس مستأجر کا نقصان ہے لہٰذا اس ضرورت کو دفع کرنے کے لئے مستأجر کے حقوق حاصل ہوجانے تک اجرت مثل پر اجارہ قائم رکھا جائے گا۔

لا تـجـوز الإجـارة إلا بأجر المثل كذا فى المحيط السرخسى : استـأجـر حـانـوت وقف بـأجر مثل فجاء آخر و زاد الأجرة لم تفسخ الأولى كذا فى السراجية (هنديه : ٤٦٨/٢)

أن مستـأجـر الأول أولـى انما هو فيما إذا زادت أجرة المثل فى اثـنـاء المدة قبل فراغ أجرته وقد قبل الزيادة اما إذا فرغت مدته فليس بـاولـى إلا إذا كـان لـه فيها حق القرار وهو المسمى بالكردار على ما قدمناه مبسوطا فى مسئله الأرض المحتكرة من أن له الاستبقاء بأجرة المثل دفعا للضرر عنه مع عدم الضرر على الوقف۔(شامى: ٦١٠/٦)

عبارت بالا اور صاحب ہندیہ کی عبارت میں بہ ظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے،

صاحب ہندیہ نے ذکر کیا ہے کہ مستأجر اگر متعینہ کرایہ ادا کرتا ہو تو اس صورت میں اجارہ فسخ نہیں کیا جائے گا، چاہے دوسرا شخص زیادہ کرایہ دینے پر راضی ہو، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مستأجر اول اس وقت اولی ہوگا، جبکہ زیادتی کو قبول کرے، لیکن مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب مستأجر اول کرایہ نامہ کی پابندی کرتا ہو اور عاقدین کے درمیان اجرت مثل یا اس سے زائد پر عقد طے ہو چکا ہو تو ایسی صورت میں متولی زیادتی کا مطالبہ نہیں کرسکتا، جب تک کہ یہ مدت اجارہ مکمل نہیں ہو جاتی۔ یہی صحیح ہونا چاہئے۔

محشی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ میں نے بعض اشباہ کی شروحات میں یہ صراحت دیکھی ہے کہ زیادتی اجرت کا مطالبہ مدت کے تام ہونے کے بعد عقد جدید کے وقت کرسکتا ہے، اگر وہ اسے قبول کرے تو وہی اولی ہوگا، لیکن اگر قبول نہیں کرتا تو متولی کو اختیار ہوگا کہ دوسرے کو اجارہ پر دے دے۔ آگے محشی فرماتے ہیں کہ یہ تعریض بعد المدت متولی پر لازم نہیں۔

الغرض معلوم ہوا کہ یہ مطالبہ بعد المدت درست ہے نہ کہ قبل المدت۔

واللہ اعلم

قوله فى زيادة أجرة المثل قبل انتهاء المدة... الخ قال شيخنا : لكن رأيت فى بعض شروح الأشباه مانصه يعرض المؤجر الزيادة بعد تمام المدة على المستأجر الأوّل فإن قبلها وإلا آجر من غيره ، ومع ذلك لو آجر لغيره بدون عرض صح، فهذا يؤيده ما عليه عمل اليوم (الهامش الاول رد المحتار : ٦/ ٦١١)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر بعد المدۃ اس کا اطلاق کیا جائے تو اس سے ایک ہی مستأجر کے قبضہ میں شیئ مستأجر کو مدۃ مدیدہ تک رکھنا لازم آتا ہے، اور اس میں وقف کے ضیاع کا اندیشہ ہے، اکثر حضرات فقہاء نے علامہ شامی کی طرح وقف کے طویل اجارہ کو اسی خدشے سے ناپسندیدہ یا نادرست قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی خاص صورت میں ایک ہی شخص سے طویل اجارہ میں نقصان کا خدشہ نہ ہو، بلکہ وقف کی مصلحت اسی میں ہو تو درست ہونا چاہئے، جیسا کہ پٹہ دوامی کی بحث میں گزر چکا۔ جس سے ہر مرتبہ عقد جدید ہوگا اور متولی کل مختار ہوگا کہ جب چاہے کرایہ دار کو خالی کرنے کا حکم دے تو ایسی صورت میں مالکانہ قبضہ کا تصور نہیں، بلکہ اس صورت میں وقف کا زیادہ فائدہ ہے، ایک تو وقف کی آمدنی زیادہ ہوگی اور زیادہ متداول ہونے سے وقف محفوظ رہے گا، اس لئے کہ ایک ہی شیئ چند ہاتھوں میں ادلتی بدلتی رہتی ہے تو اس میں نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔ لہٰذا اس میں متولی زیادتی کا مطالبہ بعد المدت کرسکتا ہے، نہ کہ قبل انتہاء المدۃ، اسی میں جانبین کی رعایت ہے۔

ولا يخفى مع ذلك مافيه من الفساد و ضياع الأوقاف حيث لزم من إبقاء أرض الوقف بيد مستأجر واحد مدة مديدة تؤديه إلى دعوى تملكها مع أنهم منعوا تطويل مدة الإجارة خوفا من ذلك كما علمته۔ (شامی: ٦/١١ ٦)

متولی کا خود کو یا والدین و ولد کو وقف کرایہ پر دینا

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے

نزدیک ناجائز ہے اور صاحبین جواز کے قائل ہیں ۔امام صاحب کے نزدیک اسی وقت جائز ہے جب کہ ان مذکورہ اشخاص سے عقد کرنا وقف کے لئے زیادہ فائدہ مند ہو، اس طور پر کہ یہ حضرات اجرت مثل سے زیادہ کرایہ داری پر راضی ہو، جیسا کہ وصی کے باب میں، وصی کو مالِ صغیر نہ خریدنے کی اجازت ہے اور نہ ہی خود اپنی ذات کو فروخت کرسکتا ہے، الا یہ کہ عام بازاری قیمت سے زیادہ میں خریدے وغیرہ

لو آجر لابنه لم يجز خلافا لهما (در مختار) وفيه المتولى إذآ آجردار الوقف من ابنه البالغ أو أبيه لم يجز عند أبى حنيفة إلا بأكثر من أجر المثل كبيع الوصى لو بمثل قيمته صح عندهما ولو خيرا لليتيم صح عند أبى حنيفة و كذا متول آجر من نفسه لو خيرا صح والا لا ومعنى الخير مر فى بيع الوصى من نفسه ، وبه يفتى اه۔ (رد المحتار: ٦٧٩/٦)

فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے لہٰذا متولی کا اپنے آپ کو یا اپنی بالغ اولاد کو یا اپنے باپ کو وقف کی جائداد کرایہ پر دینا اسی وقت درست ہوگا، جب کہ وہ مروجہ کرایہ سے زیادہ ادا کرے۔

ہندوستانی مسلم پرسنل لا

وقف جائیداد پٹہ قواعد، 2014، دفعہ 4 / 4 اس طرح ہے:
وقف کا متولی بورڈ یا مجلس انتظامیہ کا کوئی رکن جس میں ان کے شوہر، بیوی، والدین، اولاد، بھائی بہن، بھائیوں کی بیویاں اور بہنیں یا بھائیوں کی اولاد اور بہنیں شامل ہیں، اس قاعدہ کے تحت پٹہ کے لیے درخواست دینے کے اہل نہیں ہوں گے۔(وقف قوانین:۱۷۹)

وقف کی فاضل آمدنی و فاضل اراضی کا حکم:

بہت سے اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی کثیر ہوتی ہے اور وافر مقدار میں رقم جمع رہتی ہے، جو وقف کی دیکھ بھال اور مرمت کی ضرورت سے بھی زیادہ ہوتی ہے، اسی طریقہ سے ایک مسجد کے تحت اتنی زمینیں وقف ہیں کہ مسجد کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں، اور سالہا سال سے زمینیں بیکار پڑی ہیں یا کاشت ہوتی ہے تو ان کی آمدن جمع پڑی ہے۔ان اراضی کا کیا کیا جائے؟ آیا ان کو دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

علامہ شامی نے اپنے زمانہ کا مشاہدہ کر کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر واقعی مسجد اس قدر مالدار ہو اور اس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اس قدر رقم جمع رہتی ہو جس کی نہ فی الحال مسجد کو ضرورت ہے نہ فی المآل تو ایسی صورت میں غیر آباد چھوڑنے میں قوی اندیشہ ہے کہ چور، ڈاکو وغیرہ اس پر غاصبانہ قبضہ کر بیٹھیں گے، اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ خود متولی حضرات ان زمینوں یا آمدن کو ہڑپ لیں گے، اس لیے دیگر مصارف میں صرف کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

ولا سيمافى زماننا قال المسجد أو غيره من الرباط أو حوض إذا لـم ينقل يأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد و كذلك أوقافه يأكل النظار أو غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل اليه. (شامی:٦/ ٥٥٠)

اس میں اصولی طور پر واقف کے منشاء کی رعایت کرنا حتی المقدور ضروری ہے، اس پس منظر میں علامہ حصکفی نے لکھا ہے:

حشيش المسجد حصره مع الاستغناء عنها و كذا الرباط و البئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد و الرباط و البئر و الحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه. (در مختار: ٦/ ٥٤٩)

علامہ شامی نے اس پر اضافہ کیا ہے:

فظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفی شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی:۵۴۹/۶)

صاحب فتاوی رحیمیہ حضرت اقدس مفتی عبدالرحیم صاحبؒ زائد آمدنی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''بہتر یہ ہے کہ زائد رقم سے اس مسجد کے متعلق دینی مدارس قائم کر دیا جائے جس سے مسجد کی آبادی میں اضافہ ہو اور رقم ضائع ہو جانے سے بچ جائے (فتاوی رحیمہ:۲۲۸/۵)

مجمع الفقہ الاسلامی نے اس مسئلہ (وقف کی فاضل آمدنی واراضی کا حکم) پر کچھ سوالات بحث وتمحیص کے لئے قائم کئے تھے جس کو یہاں بیان کیا جاتا ہے تاکہ قارئین حضرات ان مسائل سے بھی واقف ہو جائے۔

سوال: بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلا: ایک مسجد ہے اسکے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اسکے مصارف سے زیادہ ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

الف۔ کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے؟

ب۔ کیا مسجد کی آمدنی (فاضل) تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، جبکہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔ (مجموعہ مقالات بعنوان اوقاف: ۷۵)

اس مسئلہ پر غور وفکر کرنے کے بعد اکیڈمی نے مندرجہ ذیل تجاویز پاس کی۔

(۱) مسجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا۔

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلّہ میں مسجد واقع ہے، وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

(۲) مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنکل تعلیم کے ادارے قائم

کرنے کے لئے دیا جاسکتا ہے،لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

(۳) جن مساجد کے پاس انکے مصارف سے کہیں زیادہ آمدنی ہے اور یہ آمدنی سال بہ سال جمع ہوکر بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، مستقبل قریب میں بھی مساجد کواس زائد سرمایہ کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے، مساجد کی ایسی زائد آمدنی کو دوسرے مقامات پر (جہاں ضرورت ہو) مساجد تعمیر کرنے یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے، کیوں کہ ہندوستان میں اب بھی ایسی بہت سی آبادیاں ہیں، جہاں کوئی مسجد اور دینی مکتب نہیں ہے، مسلمان اذان کی آواز کو ترستے ہیں مالدار مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسی آبادیوں میں مساجد قائم کئے جائیں۔

(۴) مساجد کے مصارف کے لئے موقوفہ اراضی اور جائدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک اہم مصرف مساجد کے ائمہ،مؤذنین اور دوسرے خدام بھی ہیں،شرکاءِ سیمینار کا احساس ہے کہ بسا اوقات مساجد کی آمدنی میں گنجائش ہونے کے باوجود ائمہ ومؤذنین وغیرہ کی تنخواہیں بہت کم رکھی جاتی ہیں، جوان کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہوتی ہیں، اس لئے سیمینار سفارش کرتا ہے کہ متولیان اور مساجد کے ذمہ داران ائمہ ومؤذنین وخدام مساجد کو بہتر سے بہتر اکرامیہ پیش کریں، اوران کی تنخواہوں کے مسئلہ کو مساجد کے ضروری مساجد میں شمار کریں۔

(۵) دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نہ فی الحال ضرورت ہے

اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کے لئے بہت مشکل ہے، حکومت یا بد دیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضۂ غاصبانہ کا خطرہ ہے، اوقاف کی ایسی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافر خانوں کی زائد آمدنی کو مسافر خانوں میں صرف کیا جائے۔ (فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۴۹ تا ۵۱)

غیر مسلم پر وقف کرنا

شرائط کے باب میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ موقوف باعث تقرب ہو یعنی جس کام کے لئے وقف کیا جارہا ہے وہ فی نفسہ اور واقف کے اعتقاد میں کار ثواب ہو،

أن يكون قربة فی ذاته وعند التصرف (هنديه: ۲/۴۱۸)

امکانی طور پر غیر مسلم پر وقف دو طرح سے ہوسکتا ہے:

(۱) واقف زمین اس لئے وقف کرے کہ اس پر مندر یا کوئی مشرکانہ عبادت گاہ بنائی جائے۔

(۲) غیر مسلم فقراء پر وقف کرے، (یعنی موقوف علیہم غیر مسلم فقراء ہو)

پہلی صورت کے متعلق صاحب ہندیہ لکھتے ہیں:

لايصح وقف المسلم أو الذمی علی البيعة والكنيسة (۲/۴۱۸)

لہٰذا مسلمان یا ذمی نے کنیسہ یا چرچ وغیرہ پر وقف کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح غیر مسلم اپنا گھر مندر کے لئے وقف کرے تو تمام صورتوں میں چاہے، عبادت گاہ پر ہو یا عبادت گاہ کے لئے ہو وقف باطل ہوگا، اگر چہ ذمی کے اعتقاد میں کار ثواب ہے، شریعت مطہرہ کی نظر میں یہ بے سود ہے۔

ولو وقف الذمی علی البیعة والکنیسة أو بیت نار فهو باطل (هندیه:٤١٨/٢)

کسی مسلمان کا ان اشیاء کے لئے وقف کرنا قرآن کے حکم کی مخالفت ہے، قرآن کا صریح حکم ہے'' لا تعاونوا علی الإثم والعدوان ''(المائدہ:۲) یعنی گناہوں پر مدد کرنے سے قرآن نے روکا ہے، کیوں کہ مندر میں شرک باللہ کیا جاتا ہے، جو اسلام کی نظر میں ایک سنگین جرم ہے اور گناہ کی طرف لوگوں کو بلانا یا اس کا طریقہ عام کرنا سخت گناہ ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

باب اثم من دعا إلی الضلالة أو سن سنة سیئة کقول النبی ﷺ لیس من نفس تقتل ظلما إلا کان علی ابن آدم الأوّل کفل منها ربما قال سفین من دمها لأنه سن القتل أولا (البخاری:۱۰۸۸/۲ کتاب الاعتصام)

امام بخاری کے کہنے کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح برا عمل کرنا گناہ ہے، اس کی دعوت دینا اور اس کو عام کرنا بھی گناہ ہے، حتی کے جتنے بھی لوگ اس شرکیہ عمل کو کرتے رہیں گے، اس کا گناہ پہلے والے شخص کو بھی ملتا رہے گا۔

مسلم شریف کی روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ من سن فی الاسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غیر أن ینقص من أجورهم شیئا و من سن فی الإسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من غیر أن ینقص من أوزارهم شیئا. (رواه مسلم مشکوة المصابیح:٣١٣)

لہٰذا مسلمانوں کے لئے قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ان مصارف پر وقف کرے،

اور اگر کسی نے کیا تو بھی یہ وقف باطل ہوگا، شریعت میں اس کا کوئی اجر نہیں؛ بلکہ اس کے لئے وبال جان ہے، ایسا فعل خدا کے غضب کو دعوت دینے والا ہے، اس سے بالکلیہ پرہیز کرنا چاہئے،

خلاصہ یہ کہ نہ ہی مسلمان کا مندر یا مشرکانہ عبادت گاہ پر وقف کرنا درست ہوگا اور نہ ہی ذمی کا درست ہوگا۔ مسلمان کا وقف کرنا اس لئے درست نہیں کیوں کہ اس میں کوئی ثواب کا کام نہیں اور ذمی کا اس وجہ سے کہ وہ ہمارے نزدیک قربت نہیں، گرچہ اس کی نظر میں وہ قربت ہے جس کا اعتبار نہیں، شریعت کی نظر میں وہ چیز قابل اجر ہونی چاہئے ضروری ہے۔

لا یصح وقف مسلم أو ذمی علی بیعة أما فی المسلم فلعدم کونه قربة فی ذاته وأما فی الذمی فلعدم کونه قربة عندنا وعنده کما مر (شامی:٦/٥٢٦)

امداد الفتاوی میں ایک فتوی کے تحت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ نے مندر کے وقف کو باطل قرار دیا ہے۔

مولانا شبیر احمد قاسمی صاحب نے اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ غیر مسلم نے جو مندر وقف کیا ہے وہ شریعت اسلامی میں باطل ہے، اس لئے غیر مسلم کا بیچنا اور مسلمان کا اس کو خریدنا جائز اور درست ہے۔ (چونکہ وہ وقف ہی نہیں کہ اس پر وقف کے احکام جاری ہو) (امداد الفتاوی جدید:۵/۵۹۹)

الحاصل: مشرکانہ عبادت گاہ کا وقف باطل ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ غیر مسلم حضرات پر وقف کیا جائے، آیا یہ درست

ہے یا نہیں؟ اس میں قدرے تفصیل ہے: اصول طور پر حربی فقراء پر وقف کرنا درست نہیں، اس لئے کہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے شریعت نے روکا ہے، البتہ ذمی پر وقف کرنا درست ہے، نیز حربی فقراء پر وقف کرنا قربت نہیں اور ذمی پر وقف کرنا کارِ ثواب ہے، اسی وجہ سے ذمی کو صدقات نافلہ دینا درست ہے، بر خلاف حربی کے۔

لایصح وقف مسلم أو ذمی علی حربی لأنه قد نهینا عن برهم و جاز علی ذمی لأنه قربة. (در مع الرد : ٥٢٦/٦)

ذمی کے ضمن میں ہندوستان جیسے ممالک کے غیر مسلم فقراء بھی داخل ہوں گے، کیوں کہ وہ بھی من وجہ معاہد ہے، اور مفتیان کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ہندو کو صدقات نافلہ دینا درست ہے اور کار ثواب بھی ہے، لہٰذا ان پر وقف کرنا درست ہوگا، چوں کہ وہ ایک طرح کا تبرع ہے اور تبرع کی اجازت ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: وأما أهل ذمة فلا يجوز صرف الزكوة إليهم بالاتفاق ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق (هنديه)

عن ابراهيم بن مهاجر قال سئلت ابراهيم عن الصدقة على غير أهل الإسلام فقال أما الزكوة فلا و إما إن شاء رجل أن يتصدق فلا بأس. (مصنف ابن أبی شيبه: ٥١٦/٦)

عبارت بالا اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ صدقۂ نافلہ جو کہ تبرع ہے اور وقف بھی ایک قسم کا تبرع ہے، لہٰذا جس طریقے سے صدقہ دیا جا سکتا ہے اسی طریقے سے واقف کے موقوف علیہم غیر مسلم ہو تو علی ہذا القیاس ان پر

بھی وقف کرنا درست ہوگا۔ چنانچہ شامی پر تحقیق کرتے ہوئے شیخ عادل احمد اور شیخ علی محمد تحریر فرماتے ہیں:

أما أدلة الجواز (وقف للكافر) فهى أولا أن الوقف على الكافر فى معنى الصدقة والصدقة جائزةعليه بدليل قوله تعالى :'ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما وأسيرا' قالوا الأسير لا يكون إلا كافرًا غالبًا فمدح الله المتصدق عليه دليل جواز الصدقة عليه والوقف فى معناها فيجوز أيضا.

وثانيا ما روى أن صفية بنت حيى زوج رسول الله ﷺ وقفت على أخ لها يهودى فلو كان غير جائز ذلك لأبطله الرسول وأنكره عليها ولم يفعل.

وثالثا: صح وقف ذمى على المسلم ويصح وقف المسلم عليه إذ لايصح أن لا يصح أن يكون المسلم أدنى حالا من الكافر (هامشة على الرد: ٥٢٦/٦)

الغرض ان مستدلات کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر مسلم پر وقف کرنا درست ہے۔

غیر مسلم واقف کا وقف

واقف سے متعلق فقہی ضابطہ یہ ہے کہ واقف کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ صاحب فتح القدیر رقم طراز ہیں:

وأما الاسلام فليس شرط ولو وقف الذمى على ولده ونسله وجعل آخره للمساكين جاز. (فتح القدير:١٨٦/٦)

کیا غیر مسلم کا وقف مطلقاً درست ہے؟ چاہے وہ اپنی زمین مسجد کے لئے

وقف کرے یا دیگر کار خیر کے لئے وقف کرے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

اس سلسلہ میں حضرت مفتی سعید صاحب دامت برکاتہم نے جو خلاصۂ کلام تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے:

مساجد کے لئے غیر مسلم کے عطیات دو طرح کے ہیں:

(۱) منقولات (۲) جائداد۔

پہلے مسئلہ میں فتاوی میں اختلاف نہیں ہے، یعنی اگر کوئی غیر مسلم روپیہ پیسہ، چراغ، بتی، بوریا، چٹائی مسجد میں بہ نیتِ قربت دے تو اس کو مسجد میں صرف کرنا درست ہے، تمام فتاوی میں یہی بات ہے۔ اور اگر شرما شرمی میں یا معاشرتی دباؤ میں دے تو اس کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔

اور دوسرے مسئلہ میں یعنی غیر مسلم کوئی جائداد مسجد کے لئے وقف کرے یا مسجد بنا کر مسلمانوں کو سونپ دے یا اپنی تولیت میں رکھے اس میں فتاوی میں اختلاف ہے۔ بعض میں اس کو بھی درست قرار دیا ہے اور بعض میں نادرست۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند: فتوی نمبر ۸۱۹ میں تفصیل ہے۔

اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل طے شدہ ہے کہ اگر غیر مسلم بہ نیت قربت یعنی کار ثواب سمجھ کر دے تو درست ہے، پہلے مسئلہ میں اسی اصل کا اعتبار کیا ہے، مگر دوسرے مسئلہ میں یہ امر موضوع بحث ہے کہ اعتبار غیر مسلم کی ذاتی رائے اور اعتقاد کا ہے یا اس کے مذہب کا ہے؟ غیر مسلم کی رائے میں مسجد بنانا کارِثواب ہوسکتا ہے، مگر اس کے مذہب کی رو سے یہ قربت نہیں ہے، اگر پہلی بات کا اعتبار کیا جائے گا تو وقف صحیح ہوگا، اور بہ صورت ثانی وقف صحیح نہیں ہوگا، چنانچہ فتاوی مختلف ہو گئے ہیں، کسی میں اول کا اعتبار کر کے جواز کا حکم لکھا گیا ہے اور اکثر

فتاوی میں ثانی کا اعتبار کر کے عدم جواز کا حکم لکھا گیا ہے۔

مگر فتاوی رشیدیہ صفحہ نمبر ۵۳۷ وغیرہ میں ہے کہ وہ مسجد بن جائے گی ،یعنی حضرت گنگوہی قدس سرہ وغیرہ نے غیر مسلم کی ذاتی رائے کا اعتبار کیا ہے، اس کے مذہب کا اعتبار نہیں کیا اور ’امداد الفتاوی: ۲/ ۶۶۷ زکریا‘ [۱] میں ترجیح ثانی کو دی ہے۔ اور غیر مسلم کے مذہب کی رو سے مسجد بنانا قربت کا کام نہیں ہوسکتا، پس وہ وقف صحیح نہیں مگر جب پہلے مسئلہ میں اس کی ذاتی رائے کا اعتبار کیا ہے تو دوسرے مسئلہ میں بھی اسی کا اعتبار کرنا چاہئے، چنانچہ کفایت المفتی وغیرہ میں صحت وقف کا فتوی دیا گیا ہے۔

البتہ قربت کے علاوہ ایک اور پہلو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، اور وہ یہ ہے کہ اس غیر مسلم کی طرف سے یا اس کی قوم کی طرف سے امتنان (احسان جتلانے) کا اندیشہ نہ ہو، اگر یہ اندیشہ ہو کہ آئندہ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسجد ہم نے بنائی ہے۔ پس وقف کے سلسلہ میں احتیاط اولی ہے، اسی طرح غیر مسلم کا مسجد کے لئے بڑا چندہ ہو اور مذکورہ احتمال ہو تو بھی احتیاط برتنی چاہئے، اور ایسا چندہ قبول نہیں کرنا

---

[۱] کافر مسجد میں چندہ دے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر اس کو قربت سمجھتا ہے تو لینا درست ہے، اور اگر قربت نہیں سمجھتا تو درست نہیں، ہدایہ کی کتاب الوصیۃ میں یہ تفصیل ہے کہ آیا صرف دینے والے کی رائے معتبر ہے یا اس کے مذہب کا حکم؟ مشہور اول ہے اور احقر کے نزدیک راجح ثانی ہے، یہ حکم تو نفس اعطاء کا ہے لیکن نظرًا إلی بعض العوارض الخارجیه کالامتنان علی أهل الاسلام من أهل الکفر‘ قبول کرنا مناسب نہیں، فان الاسلام یعلو و لا یعلی و الید العلیا المعطیة و السفلی السائلة هذا ما عندی و الله تعالی عنده علم الصواب

چاہئے، اور معمولی چیزوں میں اور چھوٹے چندہ میں یہ اندیشہ نہیں، پس اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔ (مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، فتاوی دار العلوم دیو بند: ۴۴/۱۴)

کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بسط و تفصیل سے مختلف صورتیں اور ان کا حکم مدلل تحریر فرمایا ہے جو حسب ذیل ہے: اقول و باللہ التوفیق :

اصل سوال یہ تھا کہ مسجد میں ہندو کا مال لگانا درست ہے یا نہیں۔ خاکسار نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ ہندو اگر اپنی خوشی سے کوئی مال دے دے تو اسے مسجد میں لگانا درست ہے، البتہ اس سے مسجد کے لئے طلب کرنا نہیں چاہئے، خاکسار کے اس مختصر جواب کی صحت بعض افاضل پر واضح نہ ہوئی اور مولانا عبدالحی لکھنوی اور بعض کتب تفسیر کی عبارتوں سے ان کو اشتباہ ہو گیا، اس لئے تھوڑی سی تفصیل کرنی مناسب ہے، ہندو کا مال مسجد میں لگانے کی کئی صورتیں ہیں:

اول یہ کہ ہندو کوئی مال کسی مسلمان کو ہبہ کر دے اور مسلمان اس مال کا مالک ہو کر اپنی جانب سے مسجد میں لگا دے، مثلا ہندو نے پختہ اینٹیں مسلمانوں کو دے دیں اور انہیں مالک بنا دیا اور مسلمانوں نے یہ اینٹیں مسجد میں لگا دیں، دوسری صورت یہ ہے کہ ہندو نے کچھ روپیہ مسلمانوں کو دیا اور انہیں مالک بنا دیا اور مسلمانوں نے اس روپیے کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کر دیا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ہندو نے کچھ سامان مثلا اینٹ، وچونا مسلمانوں کو اس طرح دیا کہ یہ سامان تم اپنی مسجد میں لگاؤ، یعنی مسلمانوں کو تملیک نہیں کی؛ بلکہ انہیں لگانے کا وکیل بنا کر دیا۔ چوتھی صورت یہ کہ اسی نے اس طرح روپیہ مسلمانوں کو دیا کہ یہ روپیہ مسجد کی تعمیر

میں خرچ کرو۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ کسی شکستہ مسجد کی کسی ہندو نے خود مرمت کرائی اور اپنا سامان یا روپیہ اس کی مرمت میں یا تعمیر میں خرچ کیا اور منتظم تعمیر بھی خود رہا۔

یہ پانچ صورتیں ہیں جن کا حکم خاکسار کے خیال میں یہ ہے:

پہلی اور دوسری صورت میں تو غالبا کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ جائز ہے، کیوں کہ جب ہندو نے سامان یا روپے کا مالک مسلمانوں کو بنا دیا تو اب وہ ہندو کا مال ہی نہ رہا، بلکہ تبدلِ ملک سے حکماً تبدل عین ہو کر وہ مال مسلمانوں کا مال ہو کر مسجد میں لگا اور اس کے جواز میں کوئی اشتباہ نہیں اور یہی میرے جواب مذکورۂ بالا کا مصداق ہے کہ ’ہندو اگر اپنی خوشی سے کوئی مال مسلمانوں کو دے دے تو اسے مسجد میں لگانا درست ہے، البتہ اس سے مسجد کے لئے مانگنا نہیں چاہئے‘۔

تیسری اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ خاکسار کے خیال میں یہ صورتیں بھی جائز ہیں، کیوں کہ کافروں کا مال جب کہ وہ اپنی خوشی سے مسجد میں لگانے کے لئے دیں، محض اس وجہ سے کہ وہ کافروں کا مال ہے، لینے اور مسجد میں لگانے سے کوئی وجہ شرعی مانع نہیں ہے، خانہ کعبہ میں زمانہ جاہلیت کے دفائن حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور حضور ﷺ نے ان کو نہیں نکالا اور نہ خلفائے راشدین نے نکالا، حضرت عمر فاروقؓ نے نکالنے کا ارادہ بھی کیا، لیکن شیبہؓ کے اس کہنے پر کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت صدیقؓ نے ان دفائن کو نہیں نکالا، فاروقِ اعظمؓ نے بھی ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مدفون خزانے خانہ کعبہ کی ملک ہیں اور اگر احیاناً خانہ کعبہ کی تعمیر کی ضرورت پڑے تو اس میں خرچ ہو سکتے ہیں اور خرچ کرنا جائز بھی ہے۔

پس اگر کافروں کا مال محض اس وجہ سے وہ کافروں کا مال ہے مسجد میں لگانے کے قابل نہ ہوتا تو مسجد حرام میں اس کا مدفون رہنا بھی جائز نہ ہوتا، اور حضور ﷺ اس مال کو جب کہ وہ مال خبیث ہوتا اسی طرح خانہ کعبہ سے نکال پھینکتے، جس طرح کہ بتوں اور تصویروں کو اس میں سے نکال پھینکا۔

اگر کہا جائے کہ شہر مکہ عنوۃً فتح ہوا ہے اس لئے یہ دفائن مسلمان فاتحین کی ملک ہو گئے تھے، اس لئے مسجد میں بحالہا مدفون رکھے گئے تو جواب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے دفائن کفار کی ملک نہیں تھے، بلکہ مسجد حرام کی ملک تھے اور اوقاف صحیحہ کی املاک پر عنوۃً فتح ہونے کی صورت میں بھی مسلمان فاتحین کی ملک ثابت نہیں ہوسکتی، ان دفائن کا خانہ کعبہ کی ملک ہونا اس مسئلہ فقیہہ پر مبنی ہے کہ مسجد کے لئے اگر کوئی شخص کوئی مال ہبہ کرے اور متولی کو تسلیم کردے تو مسجد اس مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ فتاوی عالمگیری میں مصرح موجود ہے۔ اس سے زیادہ صاف اور واضح دلیل کافروں کے مال سے مسجد کی تعمیر ومرمت کے جواز کی یہ ہے:

(ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبى وهديتهم للامام) وإنما يقبلها إذا وقع عندهم أن قتالنا للدين لا للدنيا (وما أخذ منهم بلا حرب) ومنه تركة ذمى وما أخذه عاشر منهم ،ظهيريه، (مصالحنا) كسد ثغور و بناء قنطرة وجسر و كفاية العلماء) والمتعلمين ، تجنيس، و به يدخل طلبة العلم ،فتح، (والقضاة والعمال) الخ(در مختار: ٣٤٨/٦)

یعنی جزیہ اور خراج اور بنی تغلب سے جو صدقہ مضاعفہ کے حساب سے مال لیا جاتا ہے اور جو مال کہ کفار سلطان اسلام کو بطور ہدیہ دیں (یہ واضح رہے کہ یہ ہدیہ سلطان کی ذاتی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا) اور جو مال کہ کفار سے ترک جنگ کے

شکریہ کے طور پر لیا جائے اور وہ مال جو ہمارے عاشر ان سے وصول کریں، ان تمام اموال کا مصرف ہماری مصلحتوں کے کام ہیں، جیسے سرحدوں کی حفاظت، دریاؤں کے پل بنانا، علماء، طلباء، قاضیوں کے وظائف، اسلامی فوج اور ان کی اولاد کی تنخواہوں وغیرہ، ان پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ومثله بناء مسجد وحوض ورباط وكرى أنهار عظام غير مملوكة كالنيل وجيحون، قهستاني، وكذا النفقة على المساجد كما في زكوة الخانية فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما، بحر،انتهى، (شامى : ٣٤٩/٦)

یعنی جیسے مذکورہ بالا چیزوں میں یہ تمام اموالِ کفار خرچ کرنا جائز ہے اسی طرح ان مالوں سے مسجدیں بنانا، حوض اور رباط بنانا، بڑی بڑی غیر مملوک نہریں کھدوانا جیسے نیل اور جیحون ہیں اور مساجد کے دیگر اخراجات میں خرچ کرنا اور اماموں اور مؤذنوں کو وظائف دینا جائز ہے، اس صاف وصریح فقہی حکم کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ کافروں نے اپنی خوشی سے جو مال دیا ہو اس کا مسجد میں لگانا نا جائز ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ جزیہ اور خراج بوجہ وظیفہ شرعیہ ہونے کے ان کے ذمہ واجب الادا ہے، اس لئے ان سے وصول کئے جانے کے بعد وہ مالِ کفار نہ رہا تو جواب یہ ہے کہ یہ حکم اموالِ واجبۃ الاخذ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہدیہ کفار اور ترک جنگ کے صلہ میں وصول کیا ہوا مال اور ترکہ ذمی کا بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ درمختار کی عبارت منقولہ بالا میں صراحۃ موجود ہے۔

اگر شبہ ہو کہ ان اموال سے بنائے مساجد اس لئے جائز ہے کہ دینے والے

کافروں نے یہ مال خاص مسجد کے لئے مسجد کے نام سے نہیں دیئے ہیں، بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو دیئے اور مسلمان ان سے وصول کرنے کے بعد مالک ہو گئے اور پھر انہوں نے مسجدوں کی تعمیر میں ان کو خرچ کیا تو گویا اپنا مال خرچ کیا، تو جواب یہ ہے کہ ان تمام اموال کا جن کے مصارف درمختار کی عبارت منقولہ بالا میں مذکور ہیں سلطان اسلام یا فقرائے مسلمین یا عام مسلمین کی ملک میں داخل ہو جانا ممنوع ہے، سلطان کی ملک خاص میں داخل نہ ہونا تو ظاہر ہے اور فقرائے مسلمین کی ملک میں داخل نہ ہونا اس لئے کہ اگر فقراء اس مال کے مستحق بھی ہوتے تو مثل صدقات کے یہ اموال بھی فقراء کو تقسیم کئے جاتے اور جب کہ فقراء کا استحقاق بھی ثابت نہیں تو پھر ملک کے ثبوت کے تو کوئی معنی ہی نہیں، اور عام مسلمین کی ملک میں داخل نہ ہونا اس لئے کہ عام مسلمانوں کو اس سے دینا اور تقسیم کرنا جائز نہیں، ہاں ان کاموں میں جو رفاہ عام سے تعلق رکھتے ہیں خرچ کئے جاتے ہیں ،لیکن اس سے عام مسلمانوں کی ملک ثابت نہیں ہوسکتی، پس یہ کہنا کہ ان صورتوں میں یہ مال مسلمانوں کے مال بن کر مسجد میں لگے؛ صحیح نہیں ہے۔

اور ترکہ ذمی یا ہدیہ کفار اور وہ مال جو کوئی ہندو مسجد میں لگانے کے لئے دیتا ہے، اس حیثیت سے کہ کافر کے مال میں دونوں برابر ہیں، ہاں اتنا فرق ہے کہ ترکہ ذمی اور ہدیہ کفار مسجد میں لگانے کے نام سے نہیں دیئے گئے ہیں، لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں کہ مالِ کافر ہونے کی وجہ سے تو مسجد میں لگانا ناجائز نہ ہو لیکن مسجد کا نام لینے سے مسجد میں لگانا ناجائز ہو جائے۔

پھر یہاں پر ایک سوال غور طلب ہے کہ جس کافر کے ذمہ جزیہ مثلاً دو روپے ہیں، وہ اپنی خوشی سے دو روپے کی جگہ چار روپے اور جس کے ذمہ خراج کے چار

روپے وہ چار کی جگہ آٹھ اور تغلّمی زکوۃ کی دونی مقدار کی بجائے چوگنی اپنی خوشی سے دے دے تو یہ زیادتی لینا ان سے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس زیادتی کے مصارف کیا ہیں؟ آیا وہی مصارف جو اصل کے مصارف ہے، اس زیادتی کے مصارف ہوں گے یا ان کے علاوہ؟ اگر وہی مصارف ہیں تو پھر مسجد بھی ان مصارف میں داخل ہے۔ پھر مال کفار کا مسجد میں لگانا کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے؟

رہی پانچویں صورت اس کا حکم یہ ہے کہ کفار کو یہ موقع دینا کہ وہ کسی مسجد کی تعمیر کریں بیشک ناجائز ہے، لیکن عدم جواز کی یہ وجہ نہیں کہ مال کفار مسجد میں لگانا ناجائز ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ معابدِ خاصہ اہل اسلام پر کفار کا تصرف اور تسلط ممنوع ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے تصرف وتسلط سے مسلمانوں کی کوتاہی اور قصور ظاہر ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ کافر ہونے کی حیثیت سے شعائر اسلام اور خانہ خدا پر تصرف اور تسلط رکھنے کا مستحق نہیں، جیسے آیت شریفہ: ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله سے اس تقدیر پر کہ تعمیر سے تعمیر معروف مراد ہو ثابت ہوتا ہے کہ اس میں حق تعالی نے کفار سے حق تعمیر کی نفی فرمائی ہے، اور تعمیر سے بھی تعمیر کا ایک اکثری لازم مراد ہے اور وہ تصرف وتسلط ہے۔ پس آیت شریفہ میں اس تعمیر کے استحقاق کی نفی ہے، جو تصرف اور تسلط کو مستلزم ہو اور یہی مطلب ہے کتبِ تفسیر کی ان عبارتوں کا جن میں کفار کے لئے مساجد کی تعمیر معروف کو ممنوع لکھا ہے۔

اور جب کہ تعمیر ظاہری بھی موجب استحقاق تصرف وتسلط نہ ہو تو وہ بھی کفار کے لئے ممنوع نہیں ہوگی، جیسے ہندو معماروں سے اجرت پر مسجد کی تعمیر کرانا۔ کیونکہ مزدوری پر کام کرنے سے کوئی استحقاق تصرف وتسلط ثابت نہیں ہوتا، اسلئے باوجودیکہ ہندو معمار حقیقی طور پر تعمیر کا مباشر ہے، لیکن یہ مباشرت بھی ممنوع نہیں۔

پس آیت شریفہ اور عباراتِ کتب تفسیر سے کفار کا مال مسجد میں لگانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، البتہ ایسی تعمیر جس سے ان کو تصرف اور تسلط کا استحقاق حاصل ہو جائے بحکم آیت و کتب تفاسیر ممنوع ہے اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ تعمیر کفار کے مال سے ہو، بلکہ اگر کوئی کافر مسلمانوں سے چندہ جمع کرے اور مسجد کی تعمیر کرائے، لیکن انتظام واہتمام میں خود مستقل ہو، کسی مسلمان کو اس میں دخل نہ دینے دے تو یہ تعمیر بھی تعمیر ممنوع ہے، باوجود یہ کہ مسلمانوں کے مال سے ہوتی ہو۔

اس تمام بیان سے واضح ہو گیا کہ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی مرحوم کا یہ فرمانا کہ 'حسب تصریح معتبرات مال ہنود کا تعمیر معابدِ خاصہ اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے،' محتاج دلیل ہے، معتبرات کی عبارتیں اور حوالے مولانا نے نہیں دیئے کہ ان میں دیکھا جاتا اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے، مال کفار کا مساجد میں لگانے کا جواز مصرح ہے، ممکن ہے کہ مولانا نے تفسیر کی ان عبارتوں سے جن میں کفار کے لئے تعمیر مساجد کی ممانعت مذکور ہے، یہ سمجھا ہو کہ کفار کا مال مسجد میں لگانا درست نہیں ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، اور کتب تفسیر کا مطلب خاکسار کے خیال میں وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم ۔(محمد کفایت اللہ) (کفایت المفتی: کتاب الوقف: ۷/۷۹تا۸۳)

فتاوی محمودیہ میں حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے غیر مسلموں کی طرف سے مساجد کی تعمیر یا تعمیر میں پیسہ لگانے کے جواز کے متعلق ایک تفصیلی فتوی تحریری فرمایا ہے، جس میں اس مسئلہ کے متعلق کچھ علمی اعتراضات کے جوابات بھی تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

مسئلہ: کیا مساجد کی تعمیر جدید یا مرمت میں ہنود کا اور غیر مسلم اقوام کا روپیہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں؟ نیز اگر غیر مسلم کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں جائز ہے تو آیت شریفہ ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفسهم بالكفر (الآیۃ) کا کیا مطلب؟ باوجود یہ کہ صاحب تفسیر احمدی نے تصریح کی ہے فالمقصود فيه أن الله تعالى منع المشركين عن تعمير المساجد حال كونهم على الشرك الخ (التفسيرات الاحمديه: سورۂ توبه) اور بعد میں جا کر لکھتے ہیں: فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم الخ (التفسيرات الاحمديه) میں ممانعت پر تصریح ہے اور اگر غیر مسلم اقوام کو مساجد کی تعمیر ناجائز ہے تو فتاوی رشیدیہ میں حضرت گنگوہی نے اجازت کیوں دی؟ بلکہ آپ نے تصریح فرمائی اور فتوی دیا۔ (فتاوی رشیدیہ کتاب الوقف)

سوال: شیعہ یا ہندو یا نصاری یا یہود مسجد بنادے یا اس کی مرمت کرے یا چندہ مسجد وغیرہ میں شریک ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

حضرت جواب میں فرماتے ہیں:

جواب: اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مسجد ان لوگوں کی بنائی ہوئی بہ حکم مسجد ہے، اور یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے، ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تو بھی درست ہے۔ (فتاوی رشیدیہ)

اس فتوی اور ملاجیون کی تفسیر آیت 'ما كان للمشركين' کے جو مخالف معلوم ہوتا ہے، اس کو واضح فرما کر جواب شافی مدلل ومفصل تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔

الجواب: حامدا ومصليا ومسلما

کفار کے وقف اور وصایا کا بیان کتبِ فقہ: ہدایہ، درمختار، فتاوی عالمگیری وغیر

ہ میں مستقل موجود ہے کہ کس صورت میں معتبر ہے کس میں نہیں، حضرت گنگوہیؒ کا فتوی اسی پر مبنی ہے، اسی واسطہ قید لگائی ہے کہ 'اگر یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے، ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تو بھی درست ہے'۔ پس کفار کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے، بشرطیکہ یہ ان کے نزدیک ثواب ہو، نیز اور کوئی مانع موجود نہ ہو، مثلا یہ کہ وہ کل کو اپنی ملکیت اور شرکت کا دعوی مسجد پر نہ کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں، اور ان کو عار دلائیں کہ ہم نے تمہاری مسجد بنوائی اور اس میں چندہ دیا۔ (البتہ) بیت المقدس میں چراغ روشن کرنے کے لئے تیل دینے کی اباحت شامی وغیرہ میں موجود ہے۔

یہ اصل مسئلہ ہے اور یہی صحیح ہے، باقی ملا جیون کا تفسیر احمدی میں اس کے خلاف فرمانا قرآن کریم کی تفسیر نہیں، کشاف کے بیان کردہ جزئیہ پر نظر کرتے ہوئے ان کا اپنا ذاتی استنباط ہے، کسی نقل مذہب کے ساتھ مؤید نہیں، اس وجہ سے بہت کمزور اور دبے ہوئے الفاظ میں اس کو لکھا ہے اور کوئی نقل پیش نہیں کی، بلکہ نقل کی نفی کی ہے اور یہ استنباط من حیث المنطوق نہیں، بلکہ من حیث المفہوم ہے، چنانچہ اولاً ایک عبارت کشاف کی نقل کی پھر اس پر متفرع کرتے ہوئے:

فعلم منها أن بناء الجديد ممنوع لهم بطريق الأولى فإن أراد كافر أن يبنى مساجدأو يعمرها، يمنع منه وهو المفهوم من النص وإن لم يدل عليه رواية اه

صاحب کشاف معتزلی ہیں، ان کی تفسیر معتبر نہیں، البتہ صنائع اور بدائع کے نکات جو کچھ وہ بیان کرے معتبر ہے، لہٰذا اس کی جو کچھ حیثیت مذہب میں ہوگی وہ معلوم ہے، بخلاف فتوی حضرت گنگوہیؒ کے کہ وہ کتبِ مذہب: متون، شروح و فتاوی سب میں موجود ہے۔ کما لا يخفى على من له ممارسة بالفقه .

علاوہ ازیں کتنی ہی ہندو ریاستیں ہیں، جہاں ان راجاؤں نے مسلمان رعایا

کے لئے مسجدیں بنوا رکھی ہیں، جن میں بغیر نکیر صدیوں سے نماز ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خانہ کعبہ خود کفار کا تعمیر کیا ہوا تھا، جس میں حضور اقدس ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور زمانۂ فتوحات میں آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس کی تعمیر کو تعمیر کفار ہونے کی وجہ سے بدلوانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اب رہی یہ بات کہ آیت کا مطلب کیا ہے سو مطلب یہ ہے:

’خص الله سبحانه عمارة المسجد بالمؤمنين، فإنهم هم الجامعون هذه الكمالات العلمية والعملية، والمراد بعمارة المسجد أو مرمته العبادة والذكر فيه، ودرس العلم والقرآن، عن أبى سعيد الخدرىؓ قال: قال رسول الله ﷺ " إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد، وفى رواية: يتعاهد المسجد ، فاشهدوا له بالإيمان، فإن الله تعالى قال: (إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر) اه‘ رواه الترمذى وابن ماجة والدارمى والبغوى، اه‘ تفسير مظهرى، سورة التوبة.

اگر تفسیر بیان القرآن آپ کے پاس موجود ہو تو اس کو دیکھئے، اس میں اس مسئلہ سے تعرض کیا ہے اور اصولی بحث احکام القرآن میں ہے ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔(فتاوی محمودیہ: ۱۳۲/۱۵)

ہندو کی بنائی ہوئی مسجد کے متعلق جامع و مدلل فتوی

امداد الاحکام میں اس موضوع سے متعلق ایک جامع و مدلل فتوی حضرت اقدس مولانا مفتی ظفر احمد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے، جو درجِ ذیل ہے۔

ہندو کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم

سوال: بحوالہ نصوص یہ تحریر فرمایا جائے کہ اگر کوئی ہندو مسجد بنوا دے تو مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ عمارت نماز کے لئے

مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فى كتاب أحكام الأوقاف للفقيه العلامة الإمام أبى بكر الخصافؒ قلت: فما تقول فى الذمى يجعل دارا له مسجدا للمسلمين و بناه كما تبنى المساجد وأشهد عليه وأخرجه عن ملكه وأذن للناس أن يصلوا فيه قال: هذا عندنا قربة إلى الله عزوجل يتقرب به المسلمون فأما أهل الذمة فليس هذا قربة عندهم ألا ترى أنه لو أوصى أن تبنى داره مسجدا بعد موته أن ذالك لا يجوز وكذالك لو أوصى الذمى أن يحج عنه بألف درهم كان هذا باطلا لايجوز من قبل أن هذا ليس فما يتقرب به أهل الذمة إلى الله تعالىٰ . قلت: فما تقول إن أوصى الذمى أن تبنى داره مسجدا لقوم بأعيانهم أو لأهل محلة لأعيانهم قال: استحسن أن أجيز هذا من قبل أن هذا وصية لقوم باعيانهم. (٣٣٦،٣٣٧)

وفيه أيضا: قلت: أرأيت النصرانى إذا وقف أرضا له أو دارا له وجعل غلتها تنفق فى مرمة بيت المقدس وفى ثمن زيت لمصابيحه وفيما يحتاج إليه قال هذا جائز من قبل أن هذا قربة عند المسلمين و عندهم، قلت: وكذلك اليهود قال: هم فى ذالك بمنزلة النصارى قلت فما تقول فى المجوس هل يكونون فى ذلك بمنزلة النصارى و اليهود قال: لا أحسب أن المجوس يتقربون بذلك ولايرونه قربة و الجمله فى هذا أن كل ماكان قربة عند أهل دين من الأديان وهو عند المسلمين قربة أن ذالك جائز نافذ على ما حده الواقف وشرطه. (٣٤١،٣٤٢)

وفيه أيضا: (ص ٣٣٧) قال ماكان عند المسلمين قربة إلى الله تعالىٰ وما كان عند أهل الذمة قربة فاجتمع فى ذلك الأمر أن من المسلمين و

منهم انفذته وأمضيته وما كان عند أهل الذمة قربة وليس هو قربة عند المسلمين لم يجز وكذلك ماكان عند المسلمين قربة ولم يكن عند أهل الذمة قربة لم يجز ذلك إلا ماذكرنا مما خص به قوما بأعيانهم۔ اه وفى عالمكيرية: حربى دخل دار الاسلام بأمان ووقف جازمن ذلك مايجوز من الذمى. اه (ج ۱۹۹/۳)

حسبِ تصریحاتِ فقہاء جو مسجد کہ ہندو نے بنوادی ہے اس کا حکم مسجد کا نہیں، پس اگر زمین وعمارت دونوں اسی ہندو کے ملک ہوں تب تو اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، گو نماز صحیح ہے اور اگر زمین مسلمانوں کی ہو جس کو انہوں نے مسجد کے لئے وقف کر دیا ہو اور صرف عمارت ہندو نے بنوادی ہو، اس صورت میں وہ عمارت تو مسجد کا حکم نہیں رکھتی؛ لیکن زمین کے لئے مسجد کا حکم دیا جائیگا، لہٰذا اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بھی ملے گا؛ لیکن مسجد کے ساتھ ملکِ کافر کا تعلق پھر بھی رہے گا، پس اس کے مسجد بنانے کے (صورتِ اولیٰ میں) اور مسجد کامل بنانے کے لئے (صورتِ ثانیہ) اس ہندو سے یہ کہنا چاہئے کہ وہ یہ عمارت و زمین (بصورتِ اول) یا صرف عمارت (بصورتِ ثانیہ) کسی ایک غریب مسلمان کو یا بہت سے غریب مسلمانوں کو ہبہ کر دے اور وہ قبول کر کے اور قبضہ کر کے اسے وقف کر دیں، اس طرح وہ شرعاً مسجد ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(نوٹ) یہ جواب اس بناء پر تھا کہ ہمارے علم میں یہ بات تھی کہ ہندوؤں کے مذہب میں مسجد بنانا یا اس کی خدمت کرنا کچھ ثواب کا کام نہیں، مگر اس کے بعد احتیاطاً سائل سے یہ پوچھا گیا کہ وہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیق کر کے بتلائے کہ ان کے مذہب میں مسجد بنانا یا اس کی خدمت کرنا کسی درجہ میں ثواب

ہے یا نہیں؟ سائل نے حسب ذیل جواب دیا۔

احقر نے پانچ ہندو پنڈتوں سے دریافت کیا، سب نے یہی کہا کہ ہمارے مذہب میں بھی مسجد کا بنانا اور اس کی خدمت و تعظیم کرنا ثواب کا کام ہے، منجملہ ان کے ایک پنڈت سے تحریری جواب بھی حاصل کیا ہے، ملاحظہ فرما کر اصل سوال کے جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

سوال از پنڈت صاحبان

آپ کے مذہب میں مسجد بنانا یا اس کی خدمت کرنا کسی درجہ میں ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ اگر آپ کے مذہب میں خاص مسجد کا نام لے کر کچھ ثواب نہ بتلایا ہو تو کیا کوئی ایسا قاعدہ کلیہ بھی ہے جس کے تحت میں مسجد کا بنانا اور اس کی خدمت کرنا ثواب کا کام ہو جائے، مثلاً کسی کتاب میں بھی یہی لکھا ہو کہ جس جگہ پرمیشور (خدا) کا نام لیا جاتا ہو اور اس کی عبادت کی جاتی ہو وہ جگہ متبرک و معظم ہو جاتی ہے، اس کا ادب کرنا چاہئے، بحوالہ کتاب جواب تحریر کیا جائے۔ فقط (محمد کفایت اللہ از شاہجہان پور محلّہ مہمند ہدف)

= چونکہ بروقت لکھے جانے ہندو دھرم شاشتروں کے اور بموجودگی مہارشیوں کے سوائے ہندو مذہب کے دیگر مذہبوں کا نام ونشان نہ تھا، اس لئے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں مسجد و گرجا کے نام سے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا؛ لیکن بقول گوسوامی تلسی داس ایشور خدا ہر موقع پر کسی نہ کسی صورت میں حاضر و ناظر ہے، لہٰذا ہر مذہب و دین کا ایک دوسرے کے عبادت گاہ کو مدد پہونچانا لازمی امر ہے اور ثواب کا کام ہے۔

ترویدی سہائے سنگٹا پاٹ شالہ سنسکرت پک ادھیا۔ شاہجہانپور چنگی۔

بعد کا جواب

پس اس تحقیق کی بناء پر اب جواب یہ ہے کہ جو مسجد ہندو نے بنوادی ہے اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی ہے اور اس کو مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا ہے اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بھی ملے گا اور اس کے لئے مسجد کے احکام ثابت ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد الاحکام: باب احکام المساجد والمدارس: ۳/از ۱۶۳ تا ۱۶۶)

ہندوستانی مسلم پرسنل لاء

وقف ایکٹ 1995 مع ترمیم 2013 دفعہ 104 اس طرح ہے :

عطیہ کی گئی جائیداد پر ایکٹ کا اطلاق

ایکٹ ہذا میں درج کسی امر کے باوجود، جب کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کسی ایسے شخص کے ذریعہ جو اسلام کو ماننے والا نہیں ہے، کسی ایسے وقف کی امداد کے لے دی گئی یا عطیہ کی گئی جو:

(الف) کوئی مسجد، عیدگاہ، امام باڑہ، درگاہ، خانقاہ یا مقبرہ ہے، (ب) کوئی مسلم قبرستان ہے۔ (ج) کوئی سرائے یا مسافر خانہ ہے۔

تب ایسی جائیداد اس وقف میں شامل سمجھی جائے گی اور اسکی بابت اسی طریقہ سے کاروائی کی جائے گی جس سے اس وقف کے متعلق کی جاتی، جس میں وہ اس طرح شامل ہے۔ (وقف قوانین: ۸۶)

ہریانہ پنجاب ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ اس طرح ہے:

PUNJAB Waqf Board, Ambala4 V.Gram sabha, Basoli. A.I.R. 1986 h.p. 23 p. 820

کوئی بھی بالغ، باہوش مسلمان مسلم قانون کی رو سے تسلیم شدہ مذہبی مقدس و خیراتی اغراض کے لئے کسی ایسی جائیدا کی بابت جو مسلم قانون کے معانی میں جائیداد ہے، وقف قائم کرسکتا ہے،

غیر مشروط اور دائمی ہونا چاہئے ، وقف قائم کرتے ہی وقف جائیداد میں واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ شیئ اللہ تعالی کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ کچھ ایسی بھی مابعد محولہ نظائر عدالت میں موجود ہے جن کے مطابق غیر مسلم بھی وقف کرسکتا ہے، لیکن ان تمام فیصلوں میں یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ کسی غیر مسلم کے ذریعہ قائم کئے گئے وقف کے قانونی جواز کا تعیین وقف کی غرض کے تعلق سے کیا جائے گا وہ غرض جس کے لئے وقف قائم کیا جائے واقف کے عقیدے اور ساتھ ہی اسلامی اصولوں کے مطابق ہونی چاہئے۔

نوٹ : ان اشخاص کے ذریعہ جو اسلام کے ماننے والے نہیں ہے، بعض اوقاف کی امداد کے لئے دی گئی یا عطیہ کی گئی جائیداد پر وقف ایکٹ ۱۹۹۵ کی دفعہ ۱۰۴ کا اطلاق ہوتا ہے اس دفعہ کا متن درج ذیل ہے:

’’ ایکٹ ہذا میں درج کسی امر کے باوجود جب کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کسی ایسے شخص کے ذریعہ جو اسلام کو ماننے والا نہیں ہے، کسی ایسے وقف کی امداد کے لئے دی گئی یا عطیہ کی گئی جو (الف) کوئی مسجد، عیدگاہ، امام باڑہ، درگاہ، خانقاہ یا مقبرہ ہے۔(ب) کوئی مسلم قبرستان ہے۔(جیم) کوئی سرائے یا مسافر خانہ ہے۔

تب ایسے جائیداد اس وقف میں شامل سمجھی جائے گی اور اس کی بابت اسی طریقے سے کاروائی کی جائے گی جس سے اس وقف کے متلعق کی جاتی، جس میں وہ اس طرح شامل ہے۔

فقط مسلمانوں کی راحت کے لئے کافر کا مسجد بنوانا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کافر کی طرف مسجد کے علاوہ دیگر وجوہاتِ خیر میں وقف کو درست قرار دیتے ہیں اور مسجد میں حضرت اقدس تھانویؒ کے مطابق ’مذہب ہنود‘ کا اعتبار کرتے ہوئے مسجد وقف کرنے کو ناجائز قرار دیتے

ہیں، البتہ ایک درمیانی صورت اور ذکر فرمائی ہے کہ اگر کافر شخص اپنے اہل تعلق مسلمانوں کی راحت رسانی کے لئے مسجد بنادے تو اس میں مسجد مقصود نہیں؛ بلکہ مسلمانوں کو فائدہ اور راحت پہنچانا مقصود ہے، اس اعتبار سے یہ وقف درست ہوگا، 'اسلام کا نظام اراضی' میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ: البتہ اگر کوئی غیر مسلم کسی خاص محلّہ یا بستی کے مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے، اس تعلق کے پیش نظر ان کے فائدے کے لئے مسجد بناتا ہے تو یہ وقف صحیح ہوگا؛ کیوں کہ یہ وقف دراصل ان مخصوص مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے کیا گیا ہے، مسجد مقصود نہیں، اور غیر مسلمانوں کے مذہب میں خدمتِ خلق خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے، اس لئے ان کا یہ وقف خدمتِ خلق کی حیثیت سے صحیح ہو جائے گا (اسعاف)۔ بخلاف اس صورت کے کہ مسلمانوں کا کوئی مخصوص طبقہ یا جماعت اس کے پیش نظر نہ ہو؛ بلکہ عام مسلمانوں کا ایک عبادت خانہ ہونے کی حیثیت سے مسجد بنادے تو چونکہ غیر مسلموں کے مذہب میں اسلامی عبادت عبادت ہی نہیں، اس کے لئے عبادت خانہ کی تعمیر بھی ثواب نہیں سمجھی جاتی، اس لئے وہ مسجد مسجد شرعی نہ ہوگی، اس باریک فرق میں غلطی سے بچنے کے لئے مناسب صورت یہ ہے کہ جو غیر مسلم مسجد بنانا چاہتا ہے وہ اس کی لاگت کا تخمینہ کر کے کسی مسلمان فرد یا جماعت کو دے دے یہ لوگ اپنی طرف سے مسجد بنا کر وقف کریں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم (اسلام کا نظام اراضی:۱۵۶)

مآخذ ومراجع

مکتبہ	مصنف	کتاب	نمبر
----	----	قرآن کریم	۱
ملت دیوبند	محمد ابن اسماعیل البخاری	بخاری شریف	۲
فیصل بکڈپو	مسلم ابن حجاج القشیری	مسلم شریف	۳
فیصل بکڈپو	محمد ابن عیسی ابن سورہ الترمذی	ترمذی شریف	٤
بلال دیوبند	الامام المحدث محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	مشکوۃ	٥
ادارۃ القرآن والعلوم کراچی	علامہ ظفر احمد عثمانی	اعلاء السنن	٦
المجلس العلمی	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ	المصنف لابن ابی شیبہ	۷
زکریا بکڈپو	محمد بن عبداللہ تمرتاشی	تنویر الابصار	۸
زکریا بکڈپو	محمد ابن علی المعروف بالحصکفی	درمختار	۹
زکریا بکڈپو	محمد امین الشہیر بابن عابدین	حاشیہ ابن عابدین	۱۰
زکریا بکڈپو	علاء الدین ابوبکر بن سعود الکاسانی	بدائع الصنائع	۱۱
زکریا دیوبند	علامہ رافعی	تقریرات رافعی	۱۲
	محمد امین الشہیر بابن عابدین	رسائل ابن عابدین	۱۳
مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ	محمد امین الشہیر بابن عابدین	فتاوی حامدیہ	١٤
دار الرائد العربی، بیروت	برہان الدین ابراہیم طرابلسی	الاسعاف فی احکام الاوقاف	۱۵

۱٦	شرح المجلہ	خالد اتاسی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۱۷	الاختیار	عبداللہ بن محمود بن مودود	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۸	بنایہ	محمود بن احمد بن موسی بدرالدین العینی	نعیمیہ
۱۹	البحرالرائق	ابن نجیم المصری	زکریا دیوبند
۲۰	منحۃ الخالق	ابن عابدین شامی	زکریا دیوبند
۲۱	الاشباہ والنظائر	ابن نجیم	
۲۲	الموسوعۃ الفقھیہ	----	وزارۃ الاوقاف کویت
۲۳	کتاب الوقف	شیخ عبدالجلیل عبدالرحمٰن عشوب	مکیہ
۲٤	الفتاوی التاتارخانیہ	ابن الاعلاء الندریتی	زکریا دیوبند
۲۵	الفتاوی الھندیہ		داراحیاءالتراث بیروت لبنان
۲٦	ہدایہ	علامہ برہان الدین بالمرغینانی	بلال دیوبند
۲۷	غمزعیون البصائر	مولانا سیداحمد بن محمد حنفی	دارالباز
۲۸	احکام الاوقاف	شیخ مصطفیٰ الزرقاء	
۲۹	الفقہ السلامی وأدلتہ	ڈاکٹر وہبہ زحیلی	الہدی انٹرنیشنل دیوبند
۳۰	فتح القدیر	کمال ابن ہمام	زکریا دیوبند
۳۱	الفقہ الحنفی وادلتہ	الشیخ اسعد اصاغرجی	
۳۲	لسان العرب	ابن منظور	داراحیاءالتراث، بیروت لبنان
۳۳	ہامش علی الرد	شیخ عادل احمد، شیخ علی محمد	زکریا، دیوبند
۳٤	المختصر القدوری	ابوالحسن احمد بن محمد ابوبکر	بشری

۳۵	فتاوی محمودیہ	مفتی محمود الحسن گنگوہی	ادارۃ الصدیق ڈابھیل
۳۶	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ صاحب	نعیمہ دیوبند
۳۷	کفایت المفتی	مفتی کفایت اللہ دہلوی	دار الاشاعت
۳۸	فتاوی دارالعلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	دارالعلوم دیوبند
۳۹	امداد الاحکام	مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
٤٠	خزینۃ الفقہ	مفتی کوثر علی سبحانی مظاہری	شیخ یونس
٤١	اسلام کا نظام اراضی	مفتی شفیع صاحب	دار الاشاعت
٤٢	جواہر الفقہ	مفتی شفیع صاحب	سلمان عثمان اینڈ کمپنی دیوبند
٤٣	احسن الفتاوی	مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی	زکریا دیوبند
٤٤	مجموعہ قوانین اسلامی		آل انڈیا مسلم پرسنل لا
٤٥	اجارہ اوراس کی جدید صورتیں	مفتی زید احمد آبادی	جامعہ علوم القرآن جمبوسر
٤٦	نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے		اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا
٤٧	فتاوی رحیمیہ	مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری	مکتبہ رحیمیہ سورت، گجرات
٤٨	مجموعہ مقالات بعنوان اوقاف		اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا
٤٩	وقف قوانین	خواجہ عبد المنتقم	قومی کونسل برائے فروغ اردو
٥٠	مسلم لا، گجراتی	مختار این وہورا	سپریا پبلکیشن
٥١	مسلم قوانین کے اصول گجراتی	اے، این کاریا	جمنا داس کمپنی
٥٢	فتاوی رشیدیہ	مفتی رشید صاحب گنگوہیؒ	مکتبہ تھانوی
٥٣	امداد الفتاوی	مولانا اشرف علی تھانویؒ	زکریا، دیوبند
٥٤	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	مکتبہ حجاز
